انتخابِ دل

سید مشتاق حسین بخاری



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتخابِ دل

سید مشتاق حسین بخاری

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	انتخابِ ادب
مصنف	سید مشتاق حسین بخاری
رابطہ نمبر	0331-9173017
موضوع	ادبیات
کمپوزنگ/ پروف ریڈنگ	احمد جمال
ترتیب وتدوین	محمد نواز
سرورق	امجد ریحان
سال اشاعت	اگست 2022ء
قیمت	-/500 روپے
پبلشر	دی پرنٹ مین پرنٹرز اینڈ پبلشرز پشاور

اظہار تشکر

سب سے پہلے تو میں ان تمام مرحوم اور بقید حیات شعراء کا پیشگی شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جن کا کلام نظمیں، غزلیں ''انتخابِ دل'' میں شامل اشاعت کیے گئے ہیں۔

مزید برآں ''لذتِ ہفت زباں'' کے لیے دوسری زبانوں کی شاعری کے نمونے اوران کے تراجم بھیجنے والوں کا بھی میں دل سے شکرگزار ہوں جنھوں نے بہت محنت سے کلام کا انتخاب کیا اور خود اُن کے تراجم کر کے مجھ ناچیز تک پہنچائے۔

پشتو کلام کیلئے سید غیور حسین، بلوچی کلام اور تراجم کے لیے ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی شعبہ اقبالیات بلوچستان یونیورسٹی اوران کے اور میرے درمیان واسطہ بننے والے عزیزم کاشف جہان، سرائیکی کلام اور ترجمہ کے لیے فرمان بلوچ (قومی بلوچ) اور چترالی کلام اور ترجمہ کے لیے محترم ڈاکٹر عنائت اللہ فیضی میرے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں جنھوں نے میری کئی مرتبہ کی مایوسیوں کو بالآخر کامیابیوں میں بدلا اور میرے لیے اس منفرد ادبی شاہپارے ''لذت ہفت زبان'' کو پیش کرنا ممکن بنایا۔

میں محترم پروفیسر خالد سہیل ملک صاحب اور محترمہ پروفیسر ڈاکٹر فہمیدہ تبسم صاحبہ کا دل سے مشکور ہوں جنھوں نے یکے بعد دیگرے میری دو تالیفات پر نہایت مفید دیباچے تحریر کر کے مجھے بھجوائے اور جنہیں میں نہایت فخر سے شامل اشاعت کر رہا ہوں۔

مؤلف: انتخابِ دل



پیش لفظ

کتاب ''انتخابِ دل'' دراصل میری تالیف ''نقوش حیات'' کا ہی ایک حصہ تھی جسے پبلشر کے مشورے پر علیحدہ کتاب کی شکل میں چھاپنے کا فیصلہ کرنے کے بعد اس کو''نقوشِ حیات'' سے علیحدہ کر دیا گیا۔ وجہ یہ تھی کہ اس کتاب کا مواد ''نقوشِ حیات'' کے مواد سے کسی طرح لگا نہیں کھاتا تھا۔ مزید یہ کہ یہ مواد پہلے سے ہی کتاب کے آخری حصہ میں تھا۔ جس کو ڈمی کتاب کے آخر سے الگ کر دیا گیا۔ موضوع کے فرق کے علاوہ کتاب کی ضخامت بھی بڑھ رہی تھی لہٰذا اس کو الگ کتابی شکل میں چھاپنا ہی بہتر فیصلہ تھا۔

''انتخابِ دل'' کئی ابواب پر مشتمل ہے۔ ابتدائی حصہ میری سابقہ تحریروں، مضامین اور میری زیرادارت چھپنے والے ماہنامہ ''ایجوکیٹرز'' کے اداریوں اور اقتباسات پر مشتمل ہے۔ اگلے حصے ''منتخبات'' میں جو میری اپنی پسند کی شاعری کے چند نمونے ہیں جو میری نظر میں ادبی شاہپارے ہونے کے علاوہ میری ذاتی پسند سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔

اُردو ادب کی شاعری اپنے وقت میں کمال تک پہنچی ہوئی ہے اور کسی بھی کتاب کے ایک محدود حصے میں اس کا احاطہ کرنا مشکل ہے تاہم ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے مصداق قاری ان کو ایک نمونے کے طور پر دیکھ کر حسبِ استطاعت اور حسبِ پسند مستفیذ ہوسکتا ہے۔

اس کتاب میں ایک منفرد باب ''لذت ہفت زباں'' کا ہے۔ قومی زبان کے ساتھ ساتھ وطن عزیز میں بے شمار صوبائی، علاقائی اور مادری زبانیں بولی، لکھی اور پڑھی جاتی ہیں۔ ان زبانوں کے اندر بھی بے شمار ادبی شاہپارے موجود ہیں اور یہ زبانیں بھی علم و ادب کے جواہرات سے مالا مال ہیں۔ سوچا کہ کیوں نہ ان جواہرات اور نگینوں کے چند نمونے بھی قارئین کی معلومات اور ذوق ادب کی تسکین کے لیے پیش کردوں۔ قومی اور صوبائی زبانوں کو بے شمار ذخیرۂ الفاظ عطا کرنے والی میٹھی زبان ''فارسی'' کے علاوہ پنجابی، پشتو، سندھی، بلوچی، ہندکو، سرائیکی اور چترالی جیسی زبانوں کے نمونۂ کلام اور ان کے اُردو تراجم پیش کیے گئے ہیں جو یقیناً قارئین کی دلچسپی اور معلومات میں اضافہ کا باعث بنیں گے، مجھے احساس ہے اور معذرت بھی کہ ان مقامی زبانوں کے علاوہ مزید کئی زبانیں جیسے براہوی، گوجری، پوٹھواری، پہاڑی، کوہستانی اور شنا جیسی زبانیں بھی موجود ہیں جن کے نمونے کسی بھی وجہ سے اس مجموعے میں شامل نہیں ہوسکے تاہم اُمید کی جاسکتی ہے کہ آئندہ کی کسی اشاعت میں مزید ایسی زبانوں کے نمونے بھی قارئین کے لیے پیش کیے جاسکیں گے۔

حسن ترتیب

تقریظ

☆خالد سہیل ملک

کچھ سفر ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کا اختتام کبھی نہیں ہوتا۔ ایسے سفر یقیناً پرلذت ہوتے ہیں کہ ایک منزل کے حصول کے بعد فوراً اگلی منزل کی جستجو شروع ہو جاتی ہے۔ علم کا رستہ بھی ایسا ہی ہے کہ اس میں مسافر بس سانس لینے کے لیے ہی رُکتا ہے اور اگلے ہی لمحے راہی کے قدم نئے رستے پر پڑ جاتے ہیں۔ علم کی وادی بھی تو انتہائی خوبصورت ہے کہ ہر موڑ پر ایک نیا نظارہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس سفر کا لطف ہم جیسے دنیا داروں کے لیے نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے مخصوص لوگ ہوتے ہیں۔ اپنی زیست کو اسی سفر کا زادِ راہ بنا لیتے ہیں۔ سید مشتاق حسین شاہ گزشتہ کئی دہائیوں سے علم کے سفر میں ہیں۔ یوں کہیے کہ اپنی تعلیم سے فراغت کے بعد سے اب تک وہ مسلسل علم ہی کو تکیہ بنائے ہوئے ہیں۔ معلّمی کے منصب سے ریٹائرمنٹ کا بیریئر بھی انہیں روک نہ سکا اور شاہ صاحب ''چلے چلو کہ منزل ابھی نہیں آئی'' کی صورت علم کی مشعل ہاتھ میں تھامے اپنے سفر پر گامزن دکھائی دیتے ہیں۔ تعلیم و تعلم کو اپنی جوانی ودیعت کر دینے پر بھی اکتفا نہ کیا اور ایک ماڈل تعلیمی ادارے کی داغ بیل ڈالی۔ اور اپنے نجی تعلیمی ادارے کو اس مقام پر لے آئے ہیں کہ جو شاہ صاحب کے تعلیمی فلسفے کی عملی صورت دکھائی دیتا ہے۔ ساتھ ہی آپ انہیں ''ہمدرد'' میں فعال دیکھیں گے۔ ہمدرد کی سرگرمیوں میں وہ پوری سنجیدگی اور لگن سے منہمک دکھائی دیتے ہیں۔ سید مشتاق حسین شاہ میرے سکول کے استاد ہیں۔ ان کی جوانی میں جیسا تر و تازہ انہیں دیکھا تھا اب بھی زندگی کی وہ چمک ان کے چہرے پر نظر آتی ہے۔ حکیم محمد سعید کے پیرو کار ہونے کے ناطے ان میں حکیم صاحب کا فلسفہ رچ بس چکا ہے۔ انہیں نونہالوں میں ہی میں سب کچھ نظر آتا ہے۔ اس میں شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ آج کا نونہال ہی کل کا جوان ہے۔ آج کے نونہال کی تربیت قومی انوسٹمنٹ ہے۔ اگر یہ تربیت اچھی ہو جائے تو یہی نونہال کل اپنی عملی زندگی میں ایک اچھا انسان بن کر زندگی گزارے گا اور خود اپنے عمل سے دوسروں کو بھی متاثر کرے گا۔ بالکل ایسے ہی جیسے کسی پودے کے ابتدائی ایام بہت اہم ہوتے ہیں۔ اگر اس پودے کو بیماریوں سے بچا لیا جائے اور اس کی صحت کا خیال رکھا جائے تو

☆پرنسپل گورنمنٹ کالج وڈپگہ۔پشاور

پودے کی آگے چل کر چھاؤں بھی گھنی ہوگی اور میوہ بھی میٹھا ہوگا۔

شاہ صاحب چونکہ استاد ہیں اور استاد ساری زندگی حرف کی حرمت کا پاس رکھتا ہے۔ استاد سے زیادہ کون جانتا ہے کہ حرف ہی شعور کی آبیاری کرتا ہے۔ حرف ہی انسان کو درسِ انسانیت دیتا ہے۔ تبھی اللہ نے انسان کی ہدایت کے لیے الہام کا سلسلہ جاری کیا کہ حرف اللہ کے نزدیک انسان کی ہدایت کا بہترین ذریعہ ہے۔ حرف تخلیق کا سوتا ہے اور تخلیق انسانی شعور کا معجزہ ہے جو انسانی تخیل سے پھوٹتا ہے۔ انسان نہیں رہتا لیکن اس کا حرف نہ صرف اس انسان کو جاوید رکھتا ہے بلکہ اس کی فکر کو بھی دوام بخش دیتا ہے۔ علامہ اقبال، غالب، شیکسپیئر رومی، سعدی کب کے اس جہاں سے کوچ کر گئے لیکن ان کی فکر اور ان کا نام آج بھی زندہ ہے تو یہ بلاشبہ حرف ہی کا اعجاز ہے۔ شاہ صاحب بھی اس نکتے کو خوب سمجھتے ہیں کہ اپنی یادداشتوں کو اور اپنے میلانات کو یکجا کر کے کتاب کی صورت چھوڑ جانا چاہتے ہیں۔

''انتخابِ دل'' دراصل سید مشتاق حسین شاہ صاحب کی ذات کا اظہار ہیں۔ اس سے قبل وہ اپنی کتاب میں اپنی خودنوشت تحریر کر چکے ہیں جو بجائے خود ایک خاصے کی چیز ہے۔ زیرِ مطالعہ کتاب ان کے مطالعے، ان کی پسند اور ان کے میلان کا اظہار ہے۔ ان میں ان کے کچھ مضامین جو انہوں نے مختلف موقعوں پر لکھے تھے اور ماہنامہ ''ایجوکیٹر'' میں چھپے تھے۔ انہیں اس کتاب میں یکجا کیا ہے۔ جو بظاہر چھوٹی چھوٹی تحریریں ہیں لیکن اپنے اندر جامعیت اور علمی شعور کے علاوہ زندگی کے قرینے کی دلچسپ تفسیر دکھائی دیتے ہیں۔ اس کتاب میں انہوں نے اپنی پسند کے شاعروں کی غزلوں کا کچھ انتخاب پیش کیا ہے۔ جو خود ان کی شخصیت کا گویا کہ اظہار ہیں۔ لیکن اس کتاب کا سب سے خوبصورت مضمون ''اسوہ حسنہ ﷺ'' ہے۔ جس میں شاہ صاحب نے بڑی عقیدت کے ساتھ شانِ محمدی ﷺ بیان کی ہے۔ یوں تو یہ ایک ایسا مضمون ہے کہ جس پر ہزاروں کتب لکھی جا چکی ہیں اور ہزاروں لکھی جائیں گی۔ مصنف نے اس مضمون میں نبی ﷺ کے اسوہ کے چیدہ چیدہ واقعات کو یکجا کر کے ایک چھوٹا سا گلدستہ بنایا ہے کہ جس کی خوشبو مشامِ جاں کو معطر کر دیتی ہے۔ شاہ صاحب کا اسلوب ان کی شخصیت کی طرح سادہ مگر جاذب ہے۔ کتاب ہاتھ میں لی جائے تو وہ خود کو آپ ہی آپ پڑھوا لیتی ہے۔ اللہ کرے کہ شاہ صاحب لکھتے رہیں اور ہم اُن کے قلم کی خوبیوں سے سرشار ہوتے رہیں۔



تقریظ

☆ڈاکٹر فہمیدہ تبسم

محترم مشتاق حسین شاہ کی مرتبہ و مصنفہ کتاب بعنوان ''انتخابِ دل'' کا مسودہ میرے سامنے ہے اور مجھے اپنی وہ بیاضیں یاد آ رہی ہیں جنہیں دورِ طالب علمی میں قیمتی متاع کی حیثیت سے میں سنبھال کر رکھتی اور گاہے گاہے نہ صرف اُن کا مطالعہ کرتی بلکہ ان میں کئی تحاریر و انتخابات کا اضافہ بھی کرتی رہتی (موبائل فون کے عہد میں طلبا روزنامچوں اور بیاضوں کے رُومان سے آگاہ نہیں) ڈائریوں میں رقم تحریریں حسنِ ذوق کی ترجمان بھی ہوتیں اور تعلیم یافتہ افراد کی اہم مصروفیت بھی سمجھی جاتی تھیں۔ مجھے آج تک اپنی منتخب تحاریر و اقتباسات یاد ہیں مثلاً میرا ایک پسندیدہ اقتباس خلیل جبران کا ایک قول ہے جو میں نے اُس کی ایک کتاب سے نوٹ کیا تھا۔

''انسانیت ایک بیش بہا خزانہ ہے اسے لباس میں نہیں انسان میں تلاش کرو۔''

فیض، ناصر، ساحر، عدم اور فراز کا پسندیدہ کلام بھی ان بیاضوں کی زینت بنتا رہا۔ آج جب میں اپنے محترم مشتاق حسین شاہ صاحب کے منتخبات کا مطالعہ کر رہی تھی تو ماضی کے دریچوں سے رم جھم کا ترنم میری سماعتوں میں اُتر تا رہا تھا مجھے محسوس ہو رہا تھا ماضی کی حسین دیوی اپنے سنگھاسن پہ بیٹھی مجھے اپنی طرف بلا رہی ہے۔

جناب سید مشتاق حسین شاہ کی سابقہ کتب کی طرح ان کی موجودہ کتاب بھی ان کے حسن تحریر اور ذوق سخن کی ترجمان ہے۔ ان کا یہ انتخاب ان کی باطنی شخصیت کے اسرار قاری پہ منکشف کرتا ہے۔ یہ کتاب دراصل الہٰ دین کا چراغ ہے جس کے ہاتھ آتے ہی شاہ صاحب کی ذات کے طلسم بھی کھلتے چلے جاتے ہیں۔ قاری پہ واضح ہوتا چلا جاتا ہے کہ ایک ماہرِ تعلیم کی ذات کے اسرار خانوں میں جذبات، دانش، رُومان، عصری آگہی، آشوبِ زمانہ اور سب پہ مستزاد عشقِ رسولؐ کے کیسے کیسے نقوش موجود ہیں۔

''انتخابِ دل'' کے مرتب کو دستِ غیب سے تاثیر حرف و بیاں کی بھرپور نعمت عطا ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اُن کی تصانیف و تالیفات کا سحر قاری کے اندر مزید ایسے ادبی شاہپاروں کی خواہش اُجاگر کرتا ہے۔

''انتخابِ دل'' کو عنوانات کے تحت ترتیب دیا گیا ہے ہر عنوان اپنی معنویت کے اعتبار سے منفرد اہمیت کا حامل

☆ سربراہ شعبہ اُردو۔ وفاقی اُردو یونیورسٹی اسلام آباد

ہے۔حمد ونعت، کالم کاری،غزلیات ونظوم ،انٹرویوز مشاہدات وتجربات اورعلاقائی زبانوں کے ادب کے شمول تک جملہ مشمولات کتاب لاجواب ہیں۔

اگرچہ کتاب میں موجودتمام مواد(چاہے وہ طبع زاد ہو یا پسندیدہ تخلیق ہو) شاہ صاحب کے ذوقِ عالیہ کا مظہر ہے لیکن مجھے بطورخاص حکیم سعید شہید کا انٹرویو بہت پسند آیا۔اس انٹرویو سے اُن کی ذات کے کئی گوشے بے نقاب ہوئے جن سے قبل ازیں کم لوگ متعارف ہیں۔شاہ صاحب کی خوش قسمتی ہے کہ اُن جیسی ہستی سے ان کے روابطِ خاص رہے۔نونہال اسمبلی اورروٹری کلب کی تعمیری سرگرمیوں میں شاہ صاحب کی فعالیت سے تو اہل علم بخوبی آگاہ ہیں لیکن ان کے ذوق جمال کی ایک جھلک ہندکو کی نظمیہ صنف ماہیے سے اُن کی پسندیدگی سے بھی واضح ہے۔ ہندکو شاہ صاحب کی علاقائی زبان ہے اور ماہیا اس زبان کا غیرتحریری ادب ہے جو مرغوبِ خاص وعام ہے۔کتاب میں بطورنمونہ چند ماہیے شامل ہیں جو پاکستانی زبانوں کے دیگر کلام کے نمونوں میں اپنا خاص رنگ رکھتے ہیں۔

مجھے شاہ صاحب کے کالموں کے چناؤ پہ بھی خوشگوار حیرت ہے۔اُن کے قلم کے یہ چنیدہ نمونے ان امکانات کو ظاہر کرتے ہیں جو ابھی مستور ہیں مگر بے حجاب ہو سکتے ہیں طویل عرصہ علم و دانش کی شمعیں فروزاں کرنے والی ہستی اگر چراغوں کی فصل کاشت کرنے سے باز رہ جائے تو یہ ارباب علم سے زیادتی ہوگی۔میری خواہش ہے کہ شاہ صاحب کی موضوعات کی ندرت اوراسلوب کی تازہ کاری سے وسیع پیمانے پر قارئین علم وادب کو مستفید ہونا چاہیے۔

محترم ومکرم شاہ صاحب کی عالمانہ وادیبانہ خدمات پر دادوتحسین کے ساتھ

فہمیدہ تبسم

ایک حمدیہ نظم

امجد اسلام امجد

مرے خیالوں کے پیچ وخم سے
خلا کی بے سمت وسعتوں تک
جہان اندر جہان بے انت گردشوں کا جو سلسلہ ہے
یہ سب اُسی ایک ذاتِ واحد کا آئینہ ہے
وہ ذاتِ واحد
کہ جس کے اثبات کے جَلو میں وہ کہکشائیں بھی چل رہی ہیں
جو اپنی رفتار روشنی میں اَزل سے میری طرف رواں ہیں
مگر نہاں ہیں،
مگر نہاں ہیں وہ میری آنکھوں کی دسترس سے
کہ میری آنکھیں تو روشنی کے بس ایک ذرّے،
بس ایک سُورج کی سلطنت میں بھٹک رہی ہیں
یہ ایک سُورج کہ جس کی مٹی سے میرے دن رات پھوٹتے ہیں
یہ اُس کے گھوڑے کی گردِ پا ہے
یہ میری ہستی کا حاشیہ ہے!
میں اس کو کس طرح سوچ پاؤں
کہ میری آنکھوں کی پُتلیوں میں
سوائے حیرت کے کچھ نہیں ہے!
کہ میری بے صرفہ مٹھیوں میں
سوائے حسرت کے کچھ نہیں ہے!

جو چھُونا چاہوں تو چھُو نہ پاؤں

زبان پہ جب اُس کا نام لاؤں

تو ذائقے کی لُغت میں لکھے تمام الفاظ بھُول جاؤں

میں نیم شب کی گھنی اُداسی میں اپنے سائے کے رُوبرو ہوں

اور اُس کو آواز دے رہا ہوں

جو صَوت و آہنگ کے وسیلوں سے ماورا ہے

جو میری بے سمت خواہشوں کا قطب ہے

کبھی کبھی جب مری صدائیں،

گھروں سے بچھڑی یہ فاختائیں،

(جو کہکشاؤں کے راستے پہ رواں ہوئی تھیں)

مرے زمان و مکاں سے آگے

مرے تخیل سے اور میرے گماں سے آگے

حدودِ حد بیاں سے آگے کی وسعتوں سے پلٹ کے آتی ہیں

اور میرے لہو کی وادی میں گونجتی ہیں

میں سوچتا ہوں

میں اپنے ہونے کے اور نہ ہونے کے مخمصے میں یہ سوچتا ہوں

یہ میرے چاروں طرف جو بکھرا ہُوا خلا ہے!

میں اِس کے اندر ہوں؟

اس سے باہر ہوں؟

اس کا حصہ ہوں؟

یا کہ کیا ہے؟؟

نعت (نعتیہ کلام)

افتخار عارف

بطرزِ مختلف اِک نعت لکھنا چاہتا ہوں
میں ساری نعمتیں اِک ساتھ لکھنا چاہتا ہوں

میرا معبود خود تو فیقِ ارزانی کرے گا
میں وصف ِسرِ موجودات لکھنا چاہتا ہوں

حضورؐ اور محترم وابستگان شہرِ حکمت
میں اس بستی کے سب حالات لکھنا چاہتا ہوں

بہت برہم،، بہت ہی منتشر اور اقِ جاں پر
جہاں تک سانس ہے،اثبات لکھنا چاہتا ہوں

دل و دنیا مجھے آواز دیتے ہیں بیک وقت
میں جب بھی صورتِ حالات لکھنا چاہتا ہوں

نہ تسخیرِ طِلسم و اِسم ہے موضوع میرا
نہ تفسیرِ صفات و ذات لکھنا چاہتا ہوں

نہ استدراک کی معیار بندی میرا منصب
نہ میں ترتیبِ استنباط لکھنا چاہتا ہوں

حضوؐرِ سید و سردارؐ میں جو تو قیر پا جائیں
وہی حرفِ شرف دن رات لکھنا چاہتا ہوں

..................☆☆☆..................

اُسوۂ حَسنہ ﷺ

اُسوۂ حسنہ ﷺ

میرا خدا

ایک مرتبہ اسلامی فوج کی ایک تعزیری مہم ذوامر بھیجی گئی۔ مگر دشمن نے راہ فرار اختیار کی وہاں مسلمانوں سے لڑنے والا کوئی نہ تھا۔ اسی اثناء میں بارش آگئی۔ رسول خدا ﷺ نے بارش بند ہونے کے بعد اپنے کپڑے سوکھنے کے لیے ایک درخت سے لٹکا دیے۔ وہ خود سائے میں آرام کی غرض سے لیٹ گئے۔ ان کے صحابہؓ نے بھی ایسا ہی کیا اور صحرا میں ادھر ادھر پھیل گئے۔ پیغمبرِ خدا کو اکیلے دیکھ کر دشمن کا ایک سردار جس نے قریبی پہاڑی کی چوٹی پر پناہ لے رکھی تھی، چپکے سے نیچے اترا اور رسول خدا ﷺ کی تلوار پر قبضہ کرلیا پھر وہ چلا کر بولا۔

''اب تجھے کون میرے ہاتھ سے بچا سکتا ہے''؟

رسول اللہ ﷺ ذرا بھی پریشان نہ ہوئے اور جواب دیا۔

''میرا خدا''

اور رسول خدا کے اعتماد نے سادہ دل بدوی کو ہلا کر رکھ دیا۔ وہ کانپنے لگا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ اب تلوار رسول اللہ ﷺ نے سنبھالی اور بدی سے پوچھا۔ '' اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟'' بدوی سردار ذوالثور نے جواب دیا۔ ''کوئی نہیں'' مگر نبی اکرم ﷺ نے اسے معاف کر دیا اور اسے جانے کی اجازت دی۔ وہ آپ ﷺ کی اس رحمدلی سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے نہ صرف پوری طور پر اسلام قبول کرلیا۔ بلکہ اپنے قبیلہ میں اسلام کا سرگرم مبلغ گیا۔

اُسوۂ حسنہ

دل نشیں انداز

آپ ﷺ نہایت آسان اور دلنشین انداز میں لوگوں کو تعلیم دیتے تھے، جو باتیں ضروری اور اہم ہوتی تھیں انہیں آپ ﷺ تین مرتبہ دہراتے تھے تا کہ ایک کند ذہن انسان بھی انہیں اچھی طرح سمجھ سکے آپ ﷺ ہر شخص کو اس کی صلاحیت اور عقل و مزاج کے مطابق تعلیم دیتے تھے جبکہ آپ ﷺ معلموں کو بار بار یہ ہدایت فرماتے تھے۔

''تم لوگوں سے ان کی عقل (ذہنیت) کے مطابق گفتگو کرلیا کرو۔''

اس اصول کے مطابق آپ ﷺ نہایت آسان زبان میں مختصر گفتگو فرماتے تھے اور غیر متعلقہ باتوں کو درمیان میں نہیں لاتے تھے البتہ سمجھانے کے لیے اگر تمثیلات کی ضرورت ہوتی تو اس سے بھی کام لیتے تھے۔

آپ ﷺ کی محفل میں اکثر جاہل اور عرب بدو آیا کرتے تھے وہ اکثر آداب محفل کا لحاظ کیے بغیر ناشائستہ طور پر گفتگو کرتے تھے اور بے ڈھنگے سوال کرتے تھے۔ مگر آپ ﷺ ان کے سوالات کا نہایت صبر و تحمل اور ٹھنڈے دل سے سنتے تھے۔ ان کے مزاج اور ذہنیت کے مطابق تسلی بخش جواب دیتے تھے جس سے وہ مطمئن ہو جاتے تھے۔

علم کی آپ حد درجہ قدر کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے ارشادات مقدسہ کی روشنی میں ''علم و حکمت مومن کی گم شدہ دولت ہے جہاں سے مل جائے اسے حاصل کرنی چاہئے۔ کیونکہ مومن اس کا زیادہ حق دار ہے''۔ اللہ تعالی جس کسی کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اسے دین کا علم حاصل کرنے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔

علم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے تم میں سے ایک ادنیٰ مسلمان پر میری فضیلت ہو جو شخص لوگوں کو اچھی تعلیم دیتا ہے اس پر اللہ، اس کے فرشتے اور آسمانوں اور زمینوں کی ساری مخلوق یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے بلوں اور مچھلیاں سمندر میں دعائے خیر و برکت و رحمت کرتی ہیں۔

اُسوۂ حسنہ ﷺ

پکار کر کہہ دو

بڑے سے بڑا آدمی بھی اپنے گھر میں معمولی ہوتا ہے۔اس لئے والٹیر کے مشہور فقرہ کے مطابق کوئی شخص اپنے گھر کا ہیرو نہیں بن سکتا۔

باسورتھ اسمتھ کی رائے میں کم از کم یہ اصول پیغمبر اسلام کے متعلق صحیح نہیں، گِبن نے لکھا ہے کہ ''تمام پیغمبروں میں سے کسی نے اپنے پیرؤوں کا اس قدر امتحان نہیں لیا جس قدر حضرت ﷺ نے'' انہوں نے یکا یک اپنے کو سب سے پہلے ان لوگوں کے سامنے بحیثیت پیغمبر کے پیش کیا جو ان کو بحیثیت انسان کے بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ اپنی بیوی، اپنے غلام اپنے بھائی اپنے سب سے قریبی دوست کے سامنے، اور ان سب نے بغیر کسی پس و پیش آپ کے دعویٰ کی صداقت کو تسلیم کرلیا۔

بیوی سے بڑھ کر انسان کی اندرونی کمزوریوں کا واقف کار کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا مگر یہ واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی صداقت پر سب سے پہلے آپ ﷺ ہی کی بیوی ایمان لائیں وہ نبوت سے پہلے پندرہ سال تک آپ ﷺ کی رفاقت میں رہ چکی تھیں اور آپ کے ہر حال اور کیفیت کی نسبت ذاتی واقفیت رکھتی تھیں اور باوجود ان تمام باتوں کے جب آنحضرت ﷺ نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تو سب سے پہلے انہوں نے اس دعویٰ کی سچائی کو تسلیم کیا، بڑے سے بڑا انسان بھی جو ایک ہی بیوی کا شوہر ہوں وہ بھی یہ ہمت نہیں کرسکتا کہ وہ اس کو یہ کھلی اجازت دے دے کہ تم میری ہر بات، ہر حالت اور ہر واقعہ کو برملا کہہ دو اور کچھ چھپا ہے وہ سب پر ظاہر کردو مگر رسول پاک ﷺ کی بیک وقت نو بیویاں تھیں اور ان میں سے ہر ایک کو یہ عام اجازت تھی کہ علیحدگی میں مجھ میں جو کچھ دیکھو وہ سب کے سامنے برملا بیان کردو۔ جو رات کی تاریکی میں دیکھو وہ دن کی روشنی میں ظاہر کردو، جو بند کوٹھڑیوں میں دیکھو اس کو کھلی چھتوں پر پکار کر کہہ دو، اس اخلاقی پختگی اور اعتماد کی مثال کہیں اور مل سکتی ہے؟

اُسوۂ حسنہؐ

ایک اور امتحان سامنے آیا

بدر کا معرکہ ایثار اور جانبازی کا سب سے بڑا حیرت انگیز منظر اور ایک نیا امتحان بن کر سامنے آ گیا تھا کیونکہ اس سے پہلے مکہ کا شاید ہی کوئی مسلمان ہوگا جو رضائے الٰہی کی خاطر ظلم وستم کے دو پاٹوں کے درمیان گندم کی طرح پیسا نہ گیا ہو۔

اس جسمانی تشدد کے بعد ان پر دوسرا امتحان آیا اور یہ مال، کاروبار، تجارت گھر بار، اعزہ واقربا اور وطن کی محبت سے دستبرداری اور سب سے بڑھ کر دامن جھاڑ کر مکہ کی سرزمین کو خیر باد کہنا اور مدینہ کی جانب ہجرت کرنا تھا اور اب معرکہ بدر کی صورت میں ایک اور امتحان سامنے آیا۔

جو لوگ سچے مومن تھے انہوں نے فی الواقع سب کی آنکھوں کے سامنے ان تمام رشتوں کو کاٹ پھینکا جو اللہ کے دین کے ساتھ ان کے تعلق میں حائل ہوئے۔ بھائی کے سامنے بھائی اور باپ کے سامنے اس کا بیٹا سینہ تان کر کھڑا تھا۔ جب دونوں فوجیں آمنے سامنے کھڑی ہوئیں تو لوگوں کو نظر آیا کہ خود ان کے جگر کے ٹکڑے ان کے سامنے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے (جو ابھی تک ایمان نہ لائے تھے) میدان جنگ میں بڑھے تو حضرت ابوبکرؓ ان کے مقابلے میں تلوار کھینچ کر نکلے، حضرت ابوعبیدہؓ نے اپنے باپ عبداللہ بن جراح کو قتل کیا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو قتل کیا۔ حضرت عمرؓ نے اسیرانِ جنگ کے معاملے میں رسول ﷺ سے عرض کیا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے اور ہم میں سے ہر ایک اپنے رشتہ دار کو قتل کرے۔

آپ نے دگنا منافع لاکر دیا

قریش حضرت خدیجہؓ کو ان کی عفت اور پاکیزہ سیرت کی بناء پر طاہرہ کے نام سے پکارتے تھے۔ پورے قبیلے میں ان کی دانائی اور فہم وفراست اور اخلاق واوصاف کے لحاظ سے ان کا احترام کیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو حسن و جمال کی دولت سے بھی نوازا تھا۔ قریش کی کوئی عورت ان سے زیادہ مالدار نہ تھی۔ بعض اوقات قریش کا آدھا تجارت کا قافلہ صرف ان کے مال پر مشتمل ہوتا تھا۔ پہلے ان کی شادی ابوہالہ بن زرادہ تمیمی سے ہوئی تھی جس سے دولڑکے ہند اور ہالہ پیدا ہوئے اور دورِ رسالت میں دونوں مسلمان ہوگئے۔ ابوہالہ کی وفات کے بعد ان کی شادی عتیق بن عابد المخزومی سے ہوئی جس سے ان کی صاحبزادی ہند پیدا ہوئیں اور عہد نبوت میں وہ بھی مسلمان ہوگئیں۔ اس دوسرے شوہر کی وفات کے بعد وہ بیوہ ہی رہیں۔

قریش کے بہت سے سرداروں نے چاہا کہ وہ ان میں سے کسی کے ساتھ شادی کرلیں مگر وہ راضی نہ ہوئیں۔ اپنے مال سے وہ تجارت کرتی تھیں اور کسی نہ کسی شخص سے معاملہ کرلیتی تھیں کہ وہ ان کی طرف سے تجارتی قافلوں میں جائے اور ایک مقرر حصّہ لے لے۔

انہیں جب رسول ﷺ کے صدق اور امانت اور بلند اخلاق کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے آپ سے کہا کہ آپ ﷺ میرا مال تجارت لے کر شام چلے جائیں، میں دوسروں کو جتنا حصہ دیتی ہوں آپ کو اس سے زیادہ دوں گی۔ چنانچہ حضرت خدیجہؓ اور حضور ﷺ کا تجارتی معاملہ طے ہوگیا اور انہوں نے اپنے غلام میسرہ کو آپ ﷺ کے ساتھ اس تجارتی سفر پر شام بھیج دیا۔ یہ سفر 15 ذی الحجہ 25 عام الفیل کو شروع ہوا۔

راستے میں میسرہ نے حضور ﷺ کے اخلاق، عادات اور خصائل کی وہ خوبیاں دیکھیں جس سے وہ آپ ﷺ کا گرویدہ ہوگیا۔ اور واپس آکر اس نے حضرت خدیجہؓ کو تفصیل کے ساتھ بتایا کہ اس نے آپ ﷺ کو کیسا پایا۔ تجارت میں بھی حضور ﷺ نہایت کامیاب رہے۔ بلکہ پہلے جتنا کچھ منافع کما کر دوسرے لوگ حضرت خدیجہؓ کو لاکر دے دیتے تھے۔ آپ نے اس سے دوگنا منافع لا کر دیا اور حضرت خدیجہؓ نے بھی آپ ﷺ کو جس قدر حصہ دینے کا وعدہ کیا تھا اس سے دُگنا دیا۔

اُسوۂ حسنہ ﷺ

امین ہونے کی شہادت

آپ کی عمر...........سال کی تھی۔اس وقت ایک معاملہ پیش آیا، جس سے لوگوں کے دلوں میں آپ ﷺ کی بے مثل امانت، صداقت اور دیانت کا سکّہ بیٹھ گیا۔کعبہ کی عمارت زیادہ مضبوط اور اُونچی بھی نہ تھی۔زیادہ سے زیادہ چھ فٹ کے قریب ہوگی اور اس پر چھت بھی نہ تھی۔ چونکہ عمارت نشیب میں تھی، بارش کے زمانہ میں شہر کا پانی حرم میں آتا تھا جس سے عمارت کو نقصان پہنچتا تھا۔ چنانچہ اہل مکہ نے یہ طے کیا کہ بوسیدہ عمارت کو مہندم کر کے نئے سرے سے زیادہ مستحکم بنائی جائے حسن اتفاق یہ کہ جدہ کی بندرگاہ پر ایک تجارتی جہاز کنارہ سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا،قریش کو پتہ چلا تو ولید بن مغیرہ نے جدہ پہنچ کر جہاز کے تختے خرید لئے، جہاز میں ایک رومی معمار تھا، اس کا نام باقوم تھا، ولید اس کو ساتھ لایا اور تمام قریش نے مل کر تعمیر شروع کی۔ مختلف قبائل نے عمارت کے مختلف حصے آپس میں تقسیم کر لیے تھے کہ کوئی قبیلہ بھی تعمیرِ کعبہ کے شرف سے محروم نہ رہ جائے۔لیکن جب حجر اسود کے نصب کرنے کا موقع آیا تو ان میں اس بارے میں شدید اختلاف رونما ہوا کہ حجر اسود نصب کرنے کا شرف کس کو حاصل ہونا چاہیے۔ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ سعادت وشرف اسے حاصل ہو اور اس پر اتنا شدید جھگڑا ہوا کہ تلواریں نیام سے باہر نکل آئیں۔

عرب میں دستور تھا کہ جب کوئی شخص جان دینے کی قسم کھاتا تھا تو پیالہ میں خون بھر کر اس میں انگلیاں ڈبوتا تھا۔ چنانچہ اس موقع پر بھی دعویداروں نے یہ رسم ادا کی اور سب بڑے قبیلوں نے اعلان کیا کہ اول ہمارا حق ہے اگر کوئی دوسرا آگے آئے گا تو اسے ہماری لاشوں سے گزرنا پڑے گا۔چار دن تک مسلسل یہ جھگڑا برپا رہا۔ پانچویں دن ابوامیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سب سے زیادہ معمر تھا، رائے دی کہ کل صبح کو سب سے پہلے جو شخص مسجد کے باب بنی شیبہ سے داخلہ ہو وہ جھگڑے کا فیصلہ کر دے۔اس رائے پر پر سب متفق ہوگئے۔ دوسرے روز سب سے پہلے داخل ہونے والے رسول اللہ ﷺ تھے، آپ ﷺ کو دیکھتے ہی سب لوگ پکار اٹھے۔ یہ امین ہیں بالکل راست باز آدمی ہیں جو فیصلہ بھی یہ کریں گے، ہم اس پر راضی ہیں یہ تو محمد

آپ ﷺ ہے۔درحقیقت اس طرح آپ کو نبی مقرر کرنے سے پہلے اللہ تعالی پورے قبیلہ قریش سے بھرے مجمع میں آپ ﷺ کے ''امین'' ہونے کی شہادت لے چکا تھا۔

جب آپ ﷺ کو بتلایا گیا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ آپ ﷺ نے کرنا ہے تو آپ ﷺ نے اپنی چادر بچھادی اور حجر اسود کو پکڑ کر اس میں رکھ دیا۔پھر فرمایا ہر ایک قبیلہ اپنا ایک ایک نمائندہ بھیج دے،جب تمام قبیلوں کے نمائندے آگئے تو آپ نے ان تمام نمائندوں سے کہا کہ چادر کے چاروں کونے تھام لیں اور سب مل کر حجرِ اسود کو اٹھائیں،چنانچہ سب نے مل کر اٹھایا،جب پتھر اس مقام پر پہنچ گیا جہاں اسے نصب کرنا مقصود تھا تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے حجر اسود کو اٹھا کر نصب فرمادیا اور عربوں کو ہولناک خونریزی سے بچالیا۔اور پھر اس پر مزید تعمیر ہوئی۔

اُسوۂ حسنہ

ایک مشکیزہ-ایک چکی اور ایک مٹی کا گھڑا

حضرت فاطمہؓ جو آنحضرت ﷺ کی لاڈلی بیٹی تھیں۔اب اٹھارہ برس کی ہوچکی تھیں اور شادی کے پیغام آچکے تھے۔

حضرت علیؓ نے جب درخواست کی تو آپ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کی مرضی دریافت کی۔وہ چپ رہیں یہ ایک طرح کا اظہارِ رضا تھا۔آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر میں دینے کے لیے کیا ہے؟

جواب ملا کچھ بھی نہیں!

آپ ﷺ نے فرمایا۔اور وہ خطمیہ زرہ کیا ہوئی! جو جنگ بدر میں ہاتھ آئی تھی عرض کہ وہ تو موجود ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا۔بس وہ کافی ہے۔

تقریباً سوا سو دینار کی مالیت کی اس ذرہ کے علاوہ حضرت علیؓ کے پاس ایک بھیڑ کی کھال اور بوسیدہ یمنی چادر تھی۔

حضرت علیؓ نے یہ سب سرمایہ حضرت فاطمتہ الزہرؓ کی نذر کیا۔حضرت علیؓ اب تک آپ ﷺ کے پاس رہتے تھے۔شادی کے بعد ضرورت ہوئی کہ الگ گھر لیں۔حضرت حارثہؓ بن نعمان کے بہت سے گھر تھے جن میں سے وہ کئی آنحضرت ﷺ کو نذر کر چکے تھے حضرت فاطمہؓ نے آپ ﷺ سے کہا کہ اُن میں ہی سے کوئی مکان دلوا دیجیئے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ کہاں تک؟ اب تو ان سے کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔

حضرت حارثہؓ نے سنا تو وہ دوڑے آئے کہ حضور ﷺ مَیں اور میرے پاس جو کچھ ہے سب آپ ﷺ کا ہے خدا کی قسم میرا جو مکان آپ ﷺ لے لیتے ہیں مجھ کو اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ وہ میرے پاس رہ جائے۔چنانچہ انہوں نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا۔حضرت فاطمہؓ اس میں رہائش پذیر ہو

گئیں۔ نبی اکرم ﷺ نے سیّدہ دوعالم کو جو جہیز دیا، بان کی چارپائی۔ چمڑے کا گدا جس کے اندر روئی کے بجائے کھجور کے پتے تھے۔ایک مشکیزہ۔ایک چکی اور ایک مٹی کا گھڑا تھا۔حضرت فاطمہؓ جب نئے گھر میں آباد ہوئیں تو آنحضرت ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے۔

دروازہ پر کھڑے ہو کر پہلے اندر آنے کی اجازت چاہی، پھر اندر تشریف لے آئے۔ایک برتن میں پانی منگوایا۔دونوں ہاتھ اس میں ڈالے اور حضرت علیؓ کے سینے اور بازو پر پانی چھڑکا۔اور پھر حضرت فاطمہؓ کو بلایا۔وہ شرم سے گھبرائی سی آئیں۔ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا کہ ”میں نے اپنے خاندان قریش میں سے سب سے افضل شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے“

اُسوۂ حسنہ

رات کو فاقہ کرنے سے منع فرمایا

آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ خدا نے معدہ سے بڑھ کر کوئی وسیع ظرف پیدا نہیں کیا۔ یہ کبھی نہیں بھرتا اس لئے مناسب ہے کہ معدہ کے تین حصے کیے جائیں۔ ایک حصہ غذا کے لئے ایک حصہ پانی کے لئے اور ایک حصہ سانس کی آمدورفت کے لیے۔ ڈکار سے آپ ﷺ کو سخت نفرت تھی۔ ڈکار کی آواز سن کر فرماتے تھے کہ اتنا کیوں کھاتے ہو۔ آپ ﷺ نے رات کو فاقہ کرنے سے منع فرمایا۔

آج اناجوں اور پھلوں کے چھلکوں میں بہترین اور نہایت ضروری اجزاء کی موجودگی کی سائنس تصدیق کرتی ہے۔ آپ ﷺ بغیر چھنے ہوئے آٹے کی روٹی تناول فرمایا کرتے تھے زیادہ تر جو کی روٹی استعمال فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سیال غذاؤں میں سے سب سے اچھا دودھ ہے۔ آپ ﷺ کو شہد بھی بہت پسند تھا۔ آپ ﷺ نے برتن کے اندر سانس لینے کے لئے اس میں پھونک مارنے سے منع فرمایا۔ آپ ﷺ کسی مشروب کے پینے کے دوران برتن سے باہر تین بار سانس لیا کرتے تھے کیونکہ انسان کے اندر سانس کے ذریعے جو ہوا خارج ہوتی ہے وہ مضرِ صحت ہوتی ہے اس لیے یہ بھی حکم دیا گیا کہ گرم کھانے کو منہ سے پھونک مار کر ٹھنڈا نہ کیا جائے۔

آپ ﷺ نے کھانے پینے اور حفظانِ صحت کا ایسا جامع اصول ارشاد فرمایا جس کی مثال کسی طب، کسی سائنس اور کسی ازم میں نہیں ملتی فرمایا ''ہم ایسی قوم ہیں کہ جب تک بھوک نہ لگے نہیں کھاتے اور جب کھاتے ہیں تو پیٹ بھر کر نہیں کھاتے''

اُسوۂ حسنہ ﷺ

پیغمبرِ اسلام ﷺ ۔۔۔دنیا کا کامل ترین انسان کیوں؟۔۔۔

............اس لیے کہ ان کی زندگی میں بیک وقت اس قدر اوصاف نظر آتے ہیں جو کسی ایک انسان میں تاریخ نے کبھی یکجا کر کے نہیں دکھائے۔ سربراہ ایسا کہ ایک پورا ملک اس کی مٹھی میں ہو اور بے بس ایسا کہ خود اپنے کو بھی اپنے قبضہ میں نہ جانتا ہو بلکہ خدا کے قبضہ میں۔

دولت مند ایسا ہو کہ خزانے کے خزانے اونٹوں پر لدے ہوئے اس کے دارالحکومت میں آ رہے ہیں اور محتاج ایسا کہ مہینوں اس کے گھر میں چولہا نہ جلتا ہو کئی کئی وقت اس پر فاقے گزر جاتے ہوں۔

سپہ سالار ایسا کہ مٹھی بھر نہتے آدمیوں کو لے کر ہزاروں فولاد میں غرق فوجوں سے کامیاب لڑائی لڑا ہو اور صلح پسند ایسا کہ ہزاروں پُر جوش جان نثاروں کی ہمراہی کے باوجود صلح کے کاغذ پر کسی عذر کے بغیر دستخط کر دیتا ہے۔

شجاع اور بہادر ایسا کہ ہزاروں کے مقابلے میں تن تنہا کھڑا ہوا اور نرم دل ایسا کہ کبھی اس نے انسانی خون کا ایک قطرہ بھی اپنے ہاتھ سے نہ بہایا ہو۔

تعلق ایسا ہو کے عرب کے ذرہ ذرہ کی اس کو فکر غریب و مفلس مسلمانوں کی اس کو فکر، خدا کی بھولی دنیا کے سدھار کی اس کو فکر ہو اور بے تعلق ایسا کہ اپنے خدا کے سوا کسی اور کی یاد اس کو نہ ہو اور اس کے سوا ہر چیز اس کو فراموش ہو۔

اس نے کبھی اپنی ذات کے لئے برا کہنے والوں سے بدلہ نہیں لیا اور اپنے ذاتی دشمنوں کے حق میں دعائے خیر کی اور ان کا بھلا چاہا۔ لیکن خدا کے دشمنوں کو اس نے کبھی معاف نہیں کیا اور حق کا راستہ روکنے والوں کو ہمیشہ جہنم کی دھمکی دیتا اور عذاب الٰہی سے ڈراتا رہا۔

منتخب اداریہ جات

(از ماہنامہ ایجوکیٹرز پشاور)

عظیم انسانی المیہ اور ہماری ذمہ داریاں

وطنِ عزیز کو اس وقت جس انسانی المیے کا سامنا ہے اس کی مثال برصغیر کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔صوبہ سرحد کا جنت نظیر خِطہ سوات جو ایک مدت سے بدامنی کی لپیٹ میں تھا، آج آتش فشاں کی طرح پھٹ چکا ہے۔ یہاں پر ایسے حالات کیوں پیدا ہوئے؟ ہمارے ملک کا سب سے پرامن، سب سے محبّ وطن اور سب سے خوبصورت خطہ ان حالات سے کیوں دوچار ہوا؟ اس کی وجوہات جاننے کے لیے کسی افلاطون اور سقراط کے فلسفوں اور نظریوں کے مطالعہ کی ضرورت نہیں ہے سیدھی سی بات ہے کہ وہاں کے عوام کے ایک سادہ سے مطالبے یعنی نفاذِ شریعت اور تیز تر نظام عدل کو قبول کر کے اسے نافذ کرنے کے بجائے ہم نے وہاں پر غیروں کی سازشوں کو پروان چڑھانے کے لئے میدان شدت پسندوں کے سپرد کر دیا۔

ایک مدت سے صورت حال یہ رہی کہ نہ تو ہماری قومی قیادت نے وہاں کے مسئلہ کو سمجھنے کی کوئی سنجیدہ کوشش کی اور نہ صوبائی قیادتوں کو اپنی سیاسی کھینچا تانی کو چھوڑ کر ان کے مطالبہ کو ٹھنڈے دل سے سوچنے اور اسے حل کرنے کی فرصت ملی۔ ملک کی افسر شاہی اور بیوروکریسی نے ہمیشہ جلتی پر تیل کا کام کیا۔ ریاست سوات کے پاکستان سے الحاق کے بعد انگریز کے دور کی پٹوار شاہی، تھانیدار شاہی، تحصیلدار شاہی اور پیچیدہ اور سست ترین نظام عدل نے وہاں کے پرامن لوگوں کے مزاج کے برعکس رشوت اور بدعنوانی کے چلن سے وہاں کے عوام کا ناک میں دم کر دیا۔ ایسے حالات میں اصلاح احوال کی بجائے وہاں پر شدت پسندی اور انتہا پسندی کی ایسی لہر چلی کہ اچانک ہی شریعت کے نام پر انتہا پسندوں اور جنگجوؤں کے غول کے غول پیدا ہو گئے۔اور انہوں نے نامعلوم طاقتوں کی مدد سے وہ فساد پیدا کیا کہ ریاست کو انہیں راہ راست پر لانے کے لئے ایک بڑا آپریشن کرنا پڑا۔ حالات کے تجزیے کے لئے زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت بھی نہیں اور ان صفحات میں گنجائش بھی نہیں۔ ہم نے اس فساد کے شروع میں ہی ارباب اقتدار اور اہل دانش کی توجہ اس طرف مبذول کرائی تھی۔ تباہی اور بربادی کے اس کھیل میں سب سے پہلا نشانہ ہمارے تعلیمی اداروں کو بنایا گیا۔ سینکڑوں سکولوں کو بم دھماکوں سے اڑا دیا گیا اور طلبہ خصوصاً طالبات کو سکول جانے سے منع کر دیا گیا۔ اس طویل فساد کا انجام ہمارے سامنے ہے آج وہاں کی آبادی ایک مہیب اور تکلیف دہ نقل مکانی پر مجبور ہو چکی

ہے۔ ایک اندازے کے مطابق تیس لاکھ لوگ نقل مکانی پر مجبور ہو چکے ہیں۔سرکاری ریلیف کیمپوں میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے ان کی ایک معتد بہ تعداد سرکاری سکولوں اور پرائیویٹ سکولوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو چکی ہے۔اب یہ ہمارا فرض بنتا ہے کہ ان لوگوں کے نقل مکانی اور موسم کی شدت سے پیدا ہونے والے مصائب کو کم کرنے کے لیے اپنی مہمان نوازی کی روایت زندہ کر کے ان کی خدمت میں لگ جائیں۔اس وقت سرکاری سکولوں اور نجی تعلیمی اداروں کے سربراہاں، مالکان، اساتذہ اور طلبہ سے ہماری اپیل ہے کہ وہ اپنے سکولوں اور کالجوں کے دروازے ان متاثرین کے لئے کھول دیں۔خود بھی دل کھول کر ان کی مدد کریں اور مقامی لوگوں اور ان کے درمیان ایک پل کا کردار کرتے ہوئے ان کی خدمت میں جُت جائیں۔سرکاری سکولوں کے سربراہان کے علاوہ نجی سکولوں کے سربراہان سے بھی ہماری درخواست ہے کہ وہ موسم گرما کی تعطیلات میں سکولوں کی عمارت متاثرین سوات کے لئے وقف کر دیں اور ان کی خدمت اور مہمانداری کے تقاضے پورا کرنے کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں اور وسائل ان کے لئے وقف کر دیں۔امتحانات صرف تعلیمی اداروں میں ہی نہیں ہوتے بلکہ بعض اوقات قدرت کی طرف سے قوموں اور افراد پر بھی امتحانات اور آزمائشیں مسلط کر دی جاتی ہیں اس مشکل امتحان اور کڑی آزمائش سے سرخرو ہونا انشاء اللہ ہم سب کا مقدر ہے۔

ایجوکیٹرز۔۔۔

رواداری اور برداشت کی تعلیم

اس میں شک نہیں کہ مملکت پاکستان کے عوام اپنے آپ کو دنیا کی پہلی نظریاتی اسلامی مملکت کا باشندہ سمجھنے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ان کی اکثریت اپنے ملک کی محبّ وطن، اپنے دین پر مر مٹنے والی اور اس مملکت کو ایک ماڈل اسلامی ریاست دیکھنے کی خواہش مند ہے۔لیکن وطن عزیز پر آج دہشت گردی، انتہا پسندی، بدامنی اور بغاوت کے جو مہیب بادل چھائے ہوئے ہیں اور جنہوں نے آج خدانخواستہ ہماری ریاست تک کو خطرے میں ڈال دیا ہے، کو سمجھنے اور اس کی وجوہات جاننے کی ضرورت ہے۔

اہل دانش اور دردمند حضرات اس صورتحال کی معاشرتی، سماجی، اقتصادی، سیاسی اور مذہبی وجوہات بتاتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ قیام پاکستان سے لے کر آج تک ہمارے قائدین، ہمارے سیاسی زعما، ہمارے مذہبی رہنماؤں، ہماری اسٹیبلشمنٹ کی بیوروکریسی اور ہماری فوجی قیادت، سب سے قومی معاملات میں سنگین غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔لیکن آج اپنے انگ انگ زخمی معاشرے کے روگ کا اگر بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو بہت سی دیگر باتوں کے علاوہ ایک اہم وجہ یہ نظر آتی ہے کہ ہمارے معاشرے میں باہمی رواداری اور برداشت کی شدید کمی ہے۔ ہمارے اندر مذہبی انتہا پسندی، فرقہ واریت، نفرت، تعصب، تشدد اور تنگ نظری جیسی خرابیوں، عدم رواداری اور عدم برداشت کی وجہ سے ہی اضافہ ہوا ہے۔

ہم دوسروں کی بات کو بھی سن لینے اور اس پر غور کرنے سے قطع نظر، اپنے نظریات اور اپنے خیالات کو سو فیصد صحیح گردانے پر تلے رہتے ہیں اور نہ صرف اپنی بات کو صحیح سمجھتے ہیں بلکہ اسے دوسروں پر مسلط کرنے پر اپنا پورا زور صرف کر دیتے ہیں آج معاشرے میں ہمارا یہ رویہ کسی ایک شعبے میں نہیں بلکہ زندگی کے تمام شعبوں میں جاری وساری ہے۔خصوصاً مذہب کے معاملے میں تو ہم نے انتہا کر دی۔اپنے عقائد کے حامل چند افراد کے علاوہ باقی تمام مذاہب اور مسالک، حتیٰ کہ باقی تمام مسلمانوں کو بھی کافر اور گردن زدنی سمجھنے لگتے ہیں۔

آج ہم وطن عزیز کے بعض حصوں میں جو فساد اور بدامنی دیکھ رہے ہیں اس کی بڑی وجہ یہی عدم رواداری اور عدم برداشت ہے۔لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ایک ہمہ گیر مہم کے ذریعے معاشرے میں خود داری اور باہمی برداشت کی اقدار کو پروان چڑھانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔اسلام ان اقدار کا سب سے

بڑا نقیب ہے۔ اسلام کے اندر اپنی اقدار اور اصول دوسروں پر ٹھونسنے اور مسلط کرنے کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

ہمارے سیاسی قائدین، ہمارے مذہبی زعما، ہمارے دانشور، کالم نویس، میڈیا کے ذرائع اور ان کو چلانے والے ذہین دماغ اس ملک سے تشدد پسندی، انتہا پسندی، عدم برداشت اور عدم رواداری کو ختم کرنے کے لیے آگے بڑھیں۔ اس کارِ خیر کا سب سے اہم عنصر ہمارے مدرسوں، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ کرام ہیں۔ اساتذہ کرام نہ صرف اپنے اسباق، لیکچرز، سیمینارز اور سلیبس کی تدریس کے ذریعہ سے طلبہ کے دلوں کو بدل سکتے ہیں بلکہ اپنے کردار و عمل اور قول و فعل میں یکجہتی کا اظہار کر کے ان کے دلوں اور ذہنوں میں انقلاب لا سکتے ہیں۔ یقین کیجئے کہ اس ایک اقدار (Value) کے پروان چڑھانے سے ہم وطن عزیز کو دنیا کے بہترین انسانوں کا گہوارہ بنا سکتے ہیں۔

ایجوکیٹرز۔۔۔جولائی اگست 2009ء

تعلیم کے شعبے میں اس قدر سیاسی مداخلت کیوں

وطن عزیز میں تعلیم کی ترقی کی کو نقصان پہنچانے میں جہاں اور بہت سے عوامل نے منفی کردار ادا کیا۔ وہاں سیاسی مداخلت نے بھی تعلیم کا بیڑہ غرق کرنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ اس اَمر میں کوئی شک نہیں کہ وطن عزیز میں مکمل غیر جمہوری (آمرانہ) ادوار میں بھی سیاسی عناصر اپنا کردار ادا کرتے رہے ہیں لیکن ان کا کردار تعلیم کے شعبے کو ترقی دینے اور اس میں اہلیت وقابلیت کو اہمیت دینے کی بجائے ہمیشہ اپنی پسند و ناپسند کے اصول کارفرما رکھنا تھا۔ حکومت سے باہر رہ جانے والی ہر سیاسی پارٹی بلکہ خود حکومت وقت کے ارباب اختیار نے تعلیم کے شعبے میں بے جا سیاسی مداخلت کی مخالفت کی لیکن عملاً تعلیم کا شعبہ خصوصاً سرکاری تعلیمی ادارے (سکول اور کالج) ہر دور میں اس سیاسی مداخلت کی وجہ سے بحران کا شکار رہے۔

دراصل تعلیم کا شعبہ یعنی سکول کا ادارہ چونکہ ایک چھوٹے سے چھوٹے دیہات سے لے کر بڑے شہروں کے ہر گلی کوچے میں ہوتا ہے اس لئے ایک ادنی سیاسی کارکن سے لے کر ایم-پی-اے اور ایم-این-اے اور صوبائی اور وفاقی وزارء تعلیم کے شعبے کو اپنے لئے ایک وسیع وعریض چراگاہ اور شکارگاہ سمجھ کر اس میں اپنی مرضی کے سیاسی کھیل کھیلتے ہیں۔ اس سیاسی کھیل میں وہ اساتذہ اور افسران کی تبدیلیوں سے لے کر طلبہ کے داخلوں تک میں مداخلت کو اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سیاسی بنیادوں پر ہونے والی تبدیلیوں اور سفارش پر ہونے والے داخلوں نے تعلیمی اداروں کو تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا ہے۔

حال ہی میں ای-ڈی-او پشاور کے دفتر کے بارے میں خواتین اساتذہ کی شکایت پر وزیر تعلیم ایلیمنٹری اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن کی ہدایت پر جب چند اہل کاروں کو تبدیل کیا گیا تو ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ اور یہ دوسری مرتبہ ہوا کہ یہ اہلکار وزیر تعلیم کے احکامات کے سامنے خم ٹھونک کر میدان میں آ گئے۔ ہمیں ان اہلکاروں کے تبادلوں کے جواز یا عدم جواز سے کوئی سروکار نہیں ہے لیکن ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ وزیر تعلیم کے احکامات کے خلاف دفتری اہلکاروں کے احتجاجی کیمپ میں اِسی حکومت اور اِسی برسراقتدار پارٹی کے کئی وزراء اور اراکین اسمبلی بھی اظہار ہمدردی اور اظہار یکجہتی کے لئے پہنچ گئے

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔

قارئین کرام! اُن سطور کے رقم کرتے وقت صورتِ حال یہ ہے کہ وزیر تعلیم کے احکامات کیخلاف اہلکاروں کا احتجاج جاری ہے اور ان کے حمایتی وزراء اور اراکین اسمبلی بھی ان کا ساتھ دے رہے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا؟ کیا وزیر تعلیم ایک مرتبہ پھر اپنے احکامات سے پسپائی اختیار کر کے ان کی منسوخی کا اعلان کرتے ہیں۔ یا محکمے کا ذمہ دار سربراہ ہونے کی حیثیت سے اپنے اصولی فیصلے پر ڈٹے رہتے ہیں نتیجہ جو بھی نکلے لیکن تعلیم کے شعبے میں بیجا مداخلت کی بدترین مثال ہم دیکھ رہے ہیں۔

اس صورتحال کا ازالہ کر کے تعلیم کے شعبے کو صراطِ مستقیم پر لگانے والا مسیحا کب آئے گا؟

ایجوکیٹرز۔۔۔فروری 2009ء

خدارا میرٹ کے اصول کو تباہ ہونے سے بچایئے

تعلیم کی ترقی اور معاشرے میں انصاف کا بول بالا کرنے کے لئے میرٹ یعنی کسی بھی مقابلے میں اہلیت کے اصول کو مدنظر رکھنا بہت اہمیت کا حامل ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ پاکستانی معاشرے میں اچھی اقدار کی زوال پزیری کے باوجود تعلیم کے شعبے میں میرٹ کے اصول پر جو تھوڑا بہت عملدرآمد رہا ہے، یہ اسی کی برکت ہے کہ آج ہمارے نوجوانوں جو نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرونی ممالک میں بھی امتیازی مقام پر خدمات انجام دے رہے ہیں اور اس گئے گزرے دور میں بھی اگر معاشرے میں انصاف اور اچھی اقدار کی کوئی رمق باقی ہے تو وہ میرٹ کے انہی اصولوں پر عمل درآمد کی وجہ سے ہے۔

حال ہی میں وفاقی تعلیمی بورڈ کی ایک طالبہ فرح حمید ڈوگر کے نمبروں میں بعد از نتائج تبدیلی اور اس بارے میں اسلام آباد ہائی کورٹ نے امتحانی پرچوں کی re-assessment اور re-evaluation کے بارے میں جو فیصلہ سنایا ہے اس سے تعلیم کے شعبے میں ایک بھونچال کی سی کیفیت پیدا ہو چکی ہے اور انصاف اور میرٹ سے محبت کرنے والے ہر شہری کو دکھ پہنچا ہے۔

وطن عزیز میں آج بھی سیاست کے شعبے میں انسانوں کی خرید وفروخت اصولوں کی پامالی اور وعدہ خلافیوں کا جو چلن قائم ہے،ہم اس پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔لیکن تعلیم کے شعبے سے منسلک کوئی بھی فرد یا ادارہ وفاقی بورڈ کے حالیہ اقدام اور پھر اسلام آباد ہائیکورٹ کی فاضل عدالت کے دیئے گئے مبینہ فیصلے پر خاموش نہیں رہ سکتا۔امتحانی پرچوں کا بعد از نتائج جائزہ re-evalution اور نمبروں میں اضافہ کا اختیار اگر کسی بھی شخصیت کو دے دیا گیا تو اس سے پورے تعلیمی نظام کا تیاپانچہ ہو جائے گا۔مستقبل میں کوئی بھی طالب علم خصوصاً غریب اور بے وسیلہ طالب علم اپنی قابلیت کے بل بوتے پر معاشرے میں ایک بہترین مقام پر پہنچنے کا تصور بھی نہیں کر سکے گا۔ اور امراء، با اختیار اور با اثر لوگ اپنے نالائق بیٹوں اور بیٹیوں کے لئے تعلیم کے کرتا دھرتاؤں کا بازو مڑور کران کو اچھے سے اچھے نمبر دلوایا کریں گے۔

لہٰذا سیاست کے ایوانوں اور عدلیہ میں لڑی جانے والی سیاسی جنگوں اور اقتدار کی کشمکش سے قطع نظر تعلیم اور میرٹ سے محبت رکھنے والے اہل علم کو چاہیے کہ وہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور آئندہ نسلوں کے انسانی حقوق کے تحفظ

کی خاطر میرٹ کے اصول کو بچانے کے لئے میدان عمل میں نکل آئیں۔ہمیں امید ہے کہ اس گئے گزرے دور میں بھی تعلیم کے ایسے دیوانے موجود ہیں جو میرٹ کے اصول کو زندہ رکھنے کے لئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔امتحان میں میرٹ اور صرف میرٹ کا اصول ہی تعلیمی نظام کی کامیابی اور ہمارے نئی نسل کی ترقی کی ضمانت دے سکتا ہے re-assessment اور re-evaluation کا اصول اگر ایک دفعہ نافذ ہو گیا تو پھر ہمارے تعلیمی نظام کو تباہی سے کوئی بھی نہیں بچا سکے گا۔خدا وہ دن نہ لائے کہ ہم اپنے سامنے میرٹ کے اصول کو دفن ہوتا دیکھیں۔

ایجوکیٹرز۔۔۔فروری2009ء

بین الاقوامی دانشور سکالراور معالج ادارہ ہمدرد (وقف) کے بانی حکیم محمد سعید (شہید پاکستان) سے انٹرویو

تعارف:

حکیم محمد سعید کی شخصیت کسی رسمی تعارف کی محتاج نہیں وہ اپنے عہد کی صرف شخصیت نہیں بلکہ ایک ادارہ ہیں۔ جو بذات خود کئی اداروں پر محیط ہے تاہم قارئین ایجوکیٹرز کی معلومات کے لیے حکیم محمد سعید کی زندگی کا ایک مختصر ریکارڈ پیش خدمت ہے۔

☆ آپ بیس جنوری ۱۹۲۰ء کو پیدا ہوئے۔

☆ حکیم محمد سعید بیک وقت ہمدرد لیبارٹری وقف پاکستان کے صدر، ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان کے صدر، مدینۃ الحکمت کے بانی صدر، ہمدرد یونیورسٹی کے چانسلر اور ہمدرد پبلک سکول کے صدر کے عہدوں پر کام کرر ہے ہیں۔

☆ اُردو اور انگلش میں مکمل مہارت حاصل ہے۔ اور فارسی اور عربی زبانوں پر بھی کافی عبور حاصل ہے۔

☆ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی اور ادارہ صحت وطبی تحقیق کراچی کے صدر ہیں۔ ۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۲ء تک صدر کے مشیر اور طب کے وفاقی وزیر کی حیثیت سے فرائض انجام دیئے ۱۹۹۳ء میں کچھ عرصہ تک صوبہ سندھ کے گورنر کے عہدہ جلیلہ پر بھی فائز رہے۔

☆ ۱۹۶۶ء میں ستارہ امتیاز پاکستان کے اعزاز سے نوازے گئے۔ بہاولپور کے عوام کی طرف سے میرٹ سرٹیفکیٹ سے نوازے گئے۔ ۱۹۸۲ء میں کویت کی سائنس فاؤنڈیشن نے اسلامی طب میں بہترین خدمات کے لئے آپ کو خصوصی انعام کا مستحق قرار دیا۔ ۱۹۸۹ء میں روس کی ایک پریس ایجنسی نے بو علی سینا انٹرنیشنل ایوارڈ آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ ۱۹۹۵ء میں WHO (عالمی ادارہ صحت) کی جانب سے تمباکونوشی کے خلاف جہاد کا ایوارڈ وصول کیا۔ ۱۹۹۶ء میں امریکہ میں پاکستان لیگ کی طرف سے آپ کو صحت تعلیم اور سماجی خدمات کے سلسلے میں ایوارڈ پیش کیا گیا اور ۱۹۹۶ء میں روٹری

کلب اسلام آباد کی طرف سے ممتاز پاکستانی ہونے کا ایوارڈ وصول کیا۔آپ چار اردو جریدوں یعنی ماہنامہ ہمدرد صحت، ماہنامہ ہمدرد نونہال، اخبارالطب اور صحت نامہ طلبہ کے مستقل ایڈیٹر ہیں اسی طرح پانچ انگلش جریدوں کی ادارت کے مستقل فرائض بھی سنبھالے ہوئے ہیں۔

☆ اب تک اردو اور انگلش میں ۱۹۰ سے زیادہ زائد کتب تصنیف کر چکے ہیں۔مختلف ملکی و بین الاقوامی جرائد میں سائنس طب، تاریخ اور اسلام پر ۵۰۰ سے زائد مستند مقالات شائع کروا چکے ہیں۔اور پوری دنیا میں ۹۲ سے زائد بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کر کے وہاں مختلف امور پر اپنے مقالے پیش کر چکے ہیں۔

☆ اب تک ۳۰ لاکھ سے زائد مریضوں کا علاج کر چکے ہیں۔اور اس مقصد کے لئے ہر ماہ پشاور اور راولپنڈی اور لاہور کا باقاعدگی سے دورہ کرتے ہیں۔

☆ دنیا کے تقریباً تمام قابل ذکر ممالک کا دورہ کر چکے ہیں اور نہ صرف دورہ کر چکے ہیں بلکہ وہاں کے حالات و واقعات کو آپ بیتی اور سفر نامے کی شکل میں کئی ضخیم کتابوں میں قلمبند کر کے اہل علم اور طالبان علم کی خدمت میں پیش کر چکے ہیں۔تعلیم کے بارے میں ان کے خیالات کیا ہیں۔اور تعلیم کیلئے ان کی خدمات کیا ہیں؟ ایجوکیٹر کے ساتھ انٹرویو میں ان کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک جملہ پاکستان میں تعلیم، صحت اور سماجی مسائل کی صورت حال کو کھل کر بیان کرتا ہے۔حقیقت میں ان کا یہ انٹرویو اہل علم، ماہرین تعلیم اور تعلیم کے منصوبہ سازوں کی رہنمائی کے لئے ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

انٹرویو

ایجوکیٹرز:

آپ پیشے کے لحاظ سے طبیب ہیں لیکن پاکستان میں اس وقت آپ تعلیم کے سب سے بڑے وکیل کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔اس کی وجہ؟

حکیم محمد سعید:

جناب محترم! مجھے اجازت دیں کہ میں سوال کے لفظ پیشہ کے بارے میں کچھ عرض کردوں۔طب ایک فن شریف ہے۔اس کی شرافت کا عین تقاضا یہ ہے کہ اسے پیشہ نہ بنایا جائے بلکہ اسے ایک فن شریف رکھا جائے۔جب طب پیشہ بنالی جاتی ہے تو پھر براءت مرض خطر میں پڑ جایا کرتی ہیں۔جب طبیب یا معالج کو مریض کی جیب نظر آتی ہے تو شفا رخصت ہو جایا کرتی ہے۔میں طبیب ہوں اور طب ایک فن ہے۔اور فن شریف جو اخلاقیات کا عنوان جلی ہے اور انسانیت سے عبارت ہے۔

میں جب مریض کی نبض پر ہاتھ رکھتا ہوں تو میں باوضو ہوتا ہوں اور روزہ سے ہوتا ہوں۔میری نظریں دور دور جاتی ہیں نہایت خلوص کیساتھ نبضِ مریض پر انگلیاں جب رکھتا ہوں تو اپنی محبتیں مریض کے جسم میں داخل کر دیتا ہوں۔طبیب کی دسوں انگلیوں سے ہمہ وقت شعاعیں خارج ہوتی ہیں اور یہ لہریں مریض کے جسم میں چلی جاتی ہیں۔یہ تو طب کی بات ہوئی۔آپ نے مجھے طبیب کہا ہے بجا ہے۔جب طبیب کو حکیم ہونا میسر آجاتا ہے۔تو خیر کا سامان ہونے لگتا ہے۔میری حکمت کی ایک انتہا یہ ہے کہ میں ملت پاکستان کی علالتیں بھی اپنے احاطہ فکر میں لے آنے کی سعی کرتا رہتا ہوں ایک محبّ وطن کی حیثیت سے میری یہ وسعت فکر میری محبت کا عنوان جلی ہے۔

اس وقت ملت پاکستانیہ کی سب سے دل دوز علالت جُہل ہے۔یہ وہی جُہل ہے جہالت ہے جس میں معاشرہ عرب مبتلا تھا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مدمقابل یہی جُہل تھا۔نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جُہل کو دور کرنے کا سامان کیا اور شرک، کفر اور الحاد کو ثانوی حیثیت حاصل رہی۔جب

اولین وحی اقراء نازل ہوئی تو حضورﷺ کو بعثت کا عنوان مل گیا جو جُہل اور جہالت کو دور کرنا تھا۔جہل اور جہالت دور کرنا سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے میں اس سنت کے اتباع سے کیسے غافل رہ سکتا ہوں۔اور کیسے ایک سچا مسلمان غافل رہ سکتا ہے۔اس پر تو تعلیم فرض کر دی گئی۔مرد ہو کہ عورت۔اس علالتِ جہل و جہالت کے لیے پچاس سال کسی معالج کا انتظار رہا۔جب تاریکیاں چھٹتی نظر نہ آئیں تو پھر میں نے کمر ہمت کسی اور تعلیم وتربیت کو اپنا عنوان حیات بنالیا۔اب میں مریضوں کی خدمت میں بھی مصروف ہوں اور پاکستان کے ہر جُہل کے مرض میں مبتلا مریض کا درد دور کرنے کا سامان کرنا چاہتا ہوں۔

ایجوکیٹرز:

وطن عزیز میں تعلیم کو عام کرنے اور معیار تعلیم کو بہتر بنانے کے لئے آپ کے ذہن میں کیا تجاویز ہیں؟

حکیم محمد سعید:

میری انتہائے فکر یہ ہے کہ میں کسی طرح پاکستان کا نصاب تعلیم بدل کر رکھ دوں۔یہ وہ نصاب تعلیم ہے جس کے لیے حضرت محترم علامہ اقبالؒ نے کلیسائی کا لفظ استعمال کیا تھا اور یہ کلیسا کا نظام تعلیم ایک سازش ہے۔فقط دین و مروّت کے خلاف۔پاکستان میں گزشتہ پچاس سال سے رائج نصاب تعلیم نے کسی کو انسان بننے میں مدد نہیں کی ہے بلکہ اپنی نہایت روشن تاریخ سے دور کر دیا ہے اور اب ماضی کے علما دحکما کی اسے ہوا تک لگنے نہیں دی ہے۔ بہ حیثیت مجموعی اس نصاب نے

''تہذیب وتمدن اسلامی کا تمسخر کیا ہے۔اور ثقافت اسلامی کا استہزاء کیا ہے۔''

جب تک یہ نصاب نہیں بدلا جائے گا۔نافع تعلیم کا تصور ممکن ہے ہی نہیں۔پاکستان کے نصاب تعلیم کی ایک نہایت دل دوز حقیقت یہ ہے کہ اس میں ''تربیت'' کا کوئی عنصر موجود نہیں رہا ہے۔ہمارے کسی بھی منصوبہ تعلیم میں تربیت کا ذکر موجود نہ ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ جن ''ماہرین'' نے نصاب تعلیم کی تدوین کی ہے وہ یا تو اس تصور سے خالی الذہن رہے ہیں کہ تربیت مقدمہ تعلیم ہے یا پھر اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان ''ماہرین'' کے فکر ونظر کی باگ دوڑ میکالے کے ہاتھ میں رہی ہے کل اس کا نام انگریز تھا آج اس کا نام



امریکہ ہے۔

ایجوکیٹرز:

کیا اس ملک میں گزشتہ پچاس سالوں میں تعلیم کو پہنچنے والے نقصان کا مداوا ممکن ہے؟

حکیم محمد سعید:

گزشتہ پچاس سال کا جشن ہم ایک سال سے منا رہے ہیں اور اسے فراموش کیے ہوئے ہیں کہ جشن ہمیشہ غلام قوم منایا کرتی ہے۔ یہ جشن ہماری فکری غلامی پر مہر تصدیق ثبت کر رہا ہے۔ گزشتہ پچاس سال میں تعلیم کو پہنچ جانے والے نقصان کا مداوا اب کیسے ممکن ہے۔ ہم تو کم از کم پانچ نسلوں کو تباہ و بُرباد کر چکے ہیں۔ یہ تباہ و برباد نسل پاکستان کی محبت سے خالی ہو چکی ہیں۔ آزادی کا کوئی تصور اس کے ذہن میں موجود نہیں ہے۔ عظمت و رفعت کا کوئی ادراک اسے نہیں رہا ہے۔ تعمیر وطن کا کوئی تصور اس کے حاشیہ خیال میں موجود نہیں ہے۔ یہ ایک نہایت خوش آئند بات ہے کہ احتساب کے موضوع پر آج پوری قوم یک فکر ہو چکی ہے۔ اس یک فکری میں ایک نسل جواں پیش پیش ہے۔ میں اس نسلِ جواں سے محبت کرتا ہوں میں اس سے توقع کرتا ہوں کہ یہ مداوا کرنے کا عزم کرے گی۔ یہ نسل گوارا نہیں کرے گی کہ پاکستان کے کروڑوں نونہال تعلیم سے محروم رکھے جائیں اور نوجوانوں کی تعلیم گاہیں کاذب سیاستدان ویران کر دیں۔ مداوا مجھے صاف دکھائی دے رہا ہے۔

ایجوکیٹرز:

پاکستان میں صحت کی صورتحال کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں؟ یہاں پر صحت عامہ کے ساتھ کیا کیا سانحے ہوئے؟

حکیم محمد سعید:

صحت ملی کے ساتھ سب سے بڑا سانحہ یہ ہے کہ کوئی منصوبہ صحت حالات و مقتضات وطن سے عبارت نہیں رہا ہے کیونکہ صحت کے میدان میں پاکستان نے اغیار کی فکر کی محتاجی کا بدترین مظاہرہ کیا ہے جس طرح تعلیم کے ساتھ ہوا۔ اس لیے پاکستان کا ہر منصوبہ صحت ضروریات و مقتضاتِ ملی سے خالی رہا ہے۔

منصوبہ ہائے صحت میں دیہاتوں کو یکسر نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔اور دیہات کے کسان کو آغوش امراض میں دے دیا ہے۔جس کا لازمی نتیجہ زراعت کا زوال تدریجی ہے۔جو آج اجناس کے کال پر منتج ہوا ہے۔یہاں اناج کیلئے ہوہو ہاہا آخر کس غلطی کا خمیازہ ہے! جس طرح تعلیم فکر اغیار کی رہین منت رہی، صحت ملی بھی دشمنان پاکستان کی اپنی گرفت میں رہی۔اس کا جلی عنوان یہ رہا ہے کہ ۸۰ فیصد دیہات صحت سے محروم رہیں اور ۲۰ فیصد شہری دواخوری کی وجہ سے علالتوں کی گرفت میں رہیں۔آخر پاکستان دنیا میں سب سے زیادہ مسکنات اور مخدرات استعمال کرنے والا ملک کیسے بنا یہ سیاسی سازش تھی ان مسکّن مخدر دواؤں نے پاکستان کے نصاب اعصاب کو تباہ کر دیا ہے۔ ہر انسان کو بزدل بنا دیا ہے۔اسے خواب غفلت میں داخل کر دیا۔اور فکر پاکستان سے بیگانہ کر دیا ہے۔ پاکستان آج کا ملاً ملٹی نیشنلز کی دواؤں کی منڈی بن گیا ہے۔ ہر انسان علیل ہے اوراس کے لئے روز روز نئے ہسپتال بنتے چلے جارہے ہیں اور پاکستان پورا کا پورا بیمار انسان کی صورت اختیار کرتا چلا جا رہا ہے۔

ایجوکیٹرز:

صحت اور تعلیم کا ایک دوسرے سے کیا تعلق ہے دونوں ایک دوسرے کی کیا مدد کر سکتے ہیں؟

حکیم محمد سعید:

صحت ہی تعلیم ہے۔ تعلیم ہے تو صحت ہے۔ اگر صحت خراب ہے، جیسا کہ اکثریت پاکستان کی صحت خود ہماری اپنی غفلتوں کی بناء پر خراب ہے تو تعلیم کے لئے جسم اور دماغ دونوں تیار نہیں ہو سکتے بالکل اسی طرح اگر تعلیم نہیں ہے تو حفظ صحت کا شعور تک ممکن نہیں ہے۔صحت اور تعلیم دونوں ہر انسان کی اولین اور حقیقی ضرورت ہے۔ یہ ضرورت ہر قوم و ملک کی ہے۔ یہ ضرورت ہر ملت کی ہے۔ جب تک کسی قوم کو کمزور کر دینا مقصود ہوتا ہے تو قوم کے دشمن ان ہی دو پر حملہ آور ہوا کرتے ہیں۔ پاکستان میں دشمن نے صحت اور تعلیم دونوں پر بھرپور حملہ کیا ہے۔ ان حملوں کا مقابلہ شعورِ آزادی سے ہوا کرتا ہے۔ اور وفور محبت سے ہوا کرتا ہے۔دشمنان پاکستان نے بہ لطائف الحیل ملت پاکستانیہ کو صحت اور تعلیم دونوں سے محروم رکھنے کا اہتمام کیا ہے۔ پڑھانے کے لئے دشمن نے ایسا نصاب دے دیا کہ جس نے ترکِ مقصود حیات کیلئے اذہان کو تیار کر دیا اوراس

نہایت نامعقول نصاب کو ہیئت ہائے اقتدار نے قبول کرلیا اور اصحاب اقتدار نے اس نصاب کو پاکستان میں رائج کردیا۔ یہی معاملہ صحت کے ساتھ ہوا ہے۔ دشمنان اسلام نے ہر بہانے ایسے منصوبہ صحت کو وجود دیا۔ اور نافذ کیا جس میں اہل پاکستان کا کوئی مفاد نہ تھا۔ صحت کی رسائی صرف شہروں تک محدود کردی۔ دیہاتوں کو یکسر نظر انداز کردیا۔ اور پچاس سال کے بعد آج بھی یہ ہورہا ہے۔ کہ پاکستان طبِ اسلامی کے اختیار پر غور بھی نہ کرے۔ اور دشمنوں کی تیار کردہ دواؤں کی منڈیاں بنا رہے اور طبی ادویہ دسترس سے باہر رہیں۔ دنیا کے بڑے دواساز ایک طرف یہ حرکات کررہے ہیں۔ کہ طب کو بدنام کررہے ہیں، اور ادویہ طبی پر الزامات عائد کر رہے ہیں۔ تاکہ ان کو قبولیت عام حاصل نہ ہوسکے تو دوسری طرف ہر مضر اور غیر مضر دوا پاکستان میں بلا تامل فروخت کردی جائے اور دولت بٹوری جائے اور بیمار پاکستان کو بیمار تر کردیا جائے تاکہ اس کے ذہن میں آزادی فکر کا کوئی تصور قائم نہ رہ سکے۔

ایجوکیٹرز:

ہمدرد مجلس شوریٰ اور ہمدرد نونہال اسمبلی میں زیر بحث موضوعات میں تعلیم ہی سرِ فہرست ہوتی ہے اور حقیقت میں یہی دو ادارے پاکستان میں تعلیم کے پرچم کو اونچا رکھے ہوئے ہیں۔ آپ کے خیال میں ان دونوں اداروں کی اب تک کی Achievements کیا ہیں؟

حکیم محمد سعید:

شام ہمدرد ایک ایسا ادارہ ہے جو پاکستان میں پورے تسلسل کے ساتھ تعمیرِ اذہاں میں مصروف ہے۔ شاید پاکستان میں یہی واحد ادارہ ہے۔ جسے چالیس سال سے دوام نصیب ہے۔ اس شامِ ہمدرد کا نیا نام شوریٰ ہمدرد ہے۔ درحقیقت چاہیے کہ کوئی محقق اس کے حاصلات پر تحقیق کرے اور ایک مقالہ پی-ایچ-ڈی تیار کرے اور ڈاکٹریٹ کرے اس ادارہ فکرو ذہن میں پاکستان کی عظیم المرتبت شخصیات نے حصہ لیا ہے اور محبت وخلوص کا مظاہرہ مسلسل کیا ہے یہی صاحبان فہم ودانش شوریٰ ہمدرد کے رکن رکین ہیں۔

شوریٰ ہمدرد بلا شبہ ایک نہایت پاکیزہ تحریک کا نام ہے۔ اولین مقصد اس کا یہ ہے کہ پاکستان کی عظمت ورفعت کا سامان کیا جائے۔ اور ہر طور کیا جائے۔ یہ شوریٰ نعرہ بازیاں نہیں کرتی کہ یہ مشغلہ سیاست دانوں کا ہے جو

تحقیق کہ دولتیں بٹورنے پر لگے ہوئے ہیں شام ہمدرد اور شوریٰ ہمدرد تفکر و تدبیر کا عنوان روشن ہیں۔ تعمیر اذہان ان کا مقصود ہے اور اہل وطن کی رہنمائی مقصود اعلیٰ ہے۔شوریٰ ہمدرد اہل اقتدار کے لیے سرمہ بصیرت کا کام کرتی ہے۔اور مناصب سے بلند و بالا ہو کر پوری ہمدردی اور پورے خلوص وانس کے ساتھ صراط مستقیم دینے کی سعی کرتی ہے، چالیس سال سے خدمت ملک و ملت کا یہ سلسلہ قائم اور جاری ہے۔اور کم از کم حیات ہمدرد تک جاری رہے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ شوریٰ ہمدرد نے اپنی رہنمائیوں کو آغوش عمل میں جاتے دیکھا ہے۔موجودہ حکومت کے لیل و نہار آئینہ دار تجاویز شوریٰ ہمدرد ہیں اور خلوص سے عبارت ہیں۔

آپ نے نونہال اسمبلی کا ذکر کر کے میرا دل خوش کر دیا ہے۔ اس کا صریح مطلب یہ ہے کہ نونہال اسمبلی کے مرتبہ و مقام کو صاحبان بصارت اور بصیرت توجہ سے دیکھ رہے ہیں۔ یہ ایک نہایت پر خلوص تعمیری جدوجہد ہے۔ بزم ہمدرد نونہال اور نونہال اسمبلی اس خلوص وانس سے عبارت ہیں کہ جو نونہالان کو اعلیٰ مرتبہ دینے کا آرزومند ہے۔ زندہ اقوام و ملل اپنے منصوبہ ہائے ملی میں اولیت نونہالان وطن کو دیتے ہیں۔خود تعلیماتِ اسلامی کا عنوان نونہالانِ پاکستان کی صحت و تعلیم کی ہم آغوشی ہے۔ ہماری کوشش یہ ہے کہ ہم نونہالان وطن کی ذہنی نشو و نما کا سامان کریں۔ان کو یہ حوصلہ دیں کہ وہ آنے والے حالات سے نبرد آزما رہیں مستقبل میں پاکستان کو رہنماؤں کی ضرورت ہے۔ہم بذریعہ نونہال اسمبلی آج کے نونہال کو کل کا دیانتدار رہنما بنانے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔آج نونہال اسمبلی کا جو سپیکر ہے، قائدِ ایوان ہے، قائدِ حزب اختلاف ہے کل وہ ان مقامات بلند کو حاصل کرنے کی جدوجہد کرے گا۔

یہ کوشش جو آج ہو رہی ہے۔کل انشاء اللہ تعالیٰ دیانتدار اور ایماندار اور صداقت شعار سیاست و قیادت کو جنم دے گی اور انشاء اللہ تعالیٰ افراد ملت اتفاقِ فکر و رائے سے کاذب سیاستدانوں کو رد کر دیں گے۔ جو آج اقتدار کی کرسیوں پر متمکن ہو کر پاکستان کے کردار کو داغ دار بنا رہے ہیں۔

کیا آپ کی نگاہ وفاقی اور صوبائی حکومتوں پر نہیں ہے؟ کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں۔ کہ ہر رکن پارلیمان اور ہر رکن اسمبلی کسی نہ کسی طرح وزارت کے مرتبے پر فائز ہونا چاہتا ہے۔اس کے سامنے اقتدار ہے، کرسی اس کا مقصد ہے اور دولت اس کا مدعائے حیات ہے۔ ایسا سیاست باز، ایسا وزیر اور ایسا رکن تعمیرِ

وطن نہیں کرسکتا۔ سارے اراکین اپنی پسند سے منتخب ہوکر پارلیمان اوراسمبلیوں میں آئے ہیں ان کی شرعی حیثیت محل نظر ہے۔اور جب یہ لاکھوں کروڑوں روپے خرچ کر کے منصوبہ ہائے جلیلہ پر فائز ہوتے ہیں تو سب سے پہلے کم ازکم اس قدر دولت بٹوریں گے جس قدر خرچ کر کے یہاں آئے ہیں۔نونہال اسمبلی کے آج کے نونہال اراکین کل ان بددیانتوں اور ان بدقماشوں کی جگہ لیں گے اور پھر دیانت وامانت اور صداقت و شرافت کا دور دورہ ہوگا۔

آپ کے سوال میں ایک حصے کا جواب رہ گیا کہ شوریٰ ہمدرد اور نونہال اسمبلی میں موضوع اعلیٰ تعلیم کیوں ہے؟ میرے عزیز! کیا کوئی شوریٰ ملی تعلیم کے بغیر جواز حاصل کرسکتی ہے؟ یا یہ ادارے تربیت سے خالی ہوکر کوئی کارنامہ انجام دے سکتے ہیں؟ کیا آپ نے غور نہیں فرمایا کہ سابق پارلیمان کے کم ازکم ۲۵ اراکین نے تین سال میں ایک لفظ پارلیمان میں نہیں بولا۔ آج بھی ایسا ہی حال ہے اور بہت سے اراکین اس قدر تعلیم یافتہ ہیں کہ اپنے دستخط کرسکتے ہیں!

شوریٰ ہمدرد اور نونہال اسمبلی اس جہل و جہالت کو علم و حکمت کے ذریعے سے بدلنا چاہتی ہے۔اور تعلیمی انقلاب برپا کر کے پاکستان کو ارفع و اعلیٰ مقامات پر دیکھنا چاہتی ہے۔

ایجوکیٹرز:

سابقہ دور حکومت کی بدعنوانیوں اور تباہ کاریوں کو دُہرانا سَر پیٹنے کے مترادف ہے۔ نو منتخب پارلیمان اور سیاسی قیادت سے آپ کیا توقعات رکھتے ہیں؟

حکیم محمد سعید:

میں نے اوپر آپ کے جس سوال کا جواب دیا ہے اس میں آپ کے اس سوال کا جواب موجود ہے۔ وفاق میں کابینہ اب تک اس لیے تو نہیں بن سکیں کہ بیچارے محترم محمد نواز شریف کس کس کو وزارت عطا فرمائیں۔ ان بے بس وزیراعظم کو اس وقت مشکل اس کا سامنا ہے کہ جسے وزیر نہیں بناتے وہ علیحدگی اختیار کر کے حزب اختلاف کی طرف چلے جانے کی دھمکیاں دیتا ہے اور شیرازہ بکھیر دینا چاہتا ہے۔ جس قیادت میں یہ کھوٹے سکے ہوں گے مرض اور قرض دونوں سے نجات مل نہیں سکتی۔ میرا دل دکھتا ہے کہ نواز شریف جن

عزائم کے ساتھ آئے ہیں۔اراکین پارلیمان ان کو کام نہیں کرنے دیں گے۔ پارلیمان کی اسی سیاسی صورتحال نے ان کو سینٹ کو اپنی مرضی اور پسند کا بنانا پڑا ہے ورنہ سینٹ کا مرتبہ و مقام نہیں ہے کہ وہاں کروڑوں روپے دے کر کوئی جا کر بیٹھ جائے۔ سینٹ کا مرتبہ اعلیٰ و رفع ہے۔ سینٹ تعمیر کا عنوان ہے اور عظمت و رفعت کا نشان ہے۔ وہاں پر ہر مسئلہ کھڑا ہونا ضروری ہے مگر موجودہ سینٹ کا یہ مرتبہ و مقام ہر گز نہیں ہے۔

ایجو کیٹرز:

معیشت و تجارت، تعلیم و صحت، امن عامہ، دفاع پاکستان قرض اور کرپشن سے نجات اور ایشیا کا ٹائیگر بننا۔ آپ کے خیال میں نو منتخب حکومت کی ترجیحات کیا ہونی چاہیئں۔

حکیم محمد سعید:

آپ کا ہر سوال نہایت سخت ہے مگر آپ کے ہر سوال سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ آپ حالات سے پریشان اور غیر مطمئن ہیں۔ آپ کے سوالات کے جواب میں یہ کہتا ہوں اور یہی بات میں نے محترم وزیر اعظم صاحب سے بھی ماضی اور حال میں کہی۔ حالات متقاضی ہیں کہ آپ سب سے پہلے اس بد کردار قوم کو دولت کردار عطا فرمانے کی جدوجہد کریں! حالات ماضی میں من حیث المجموع ہر انسانِ پاکستان شریعت انسانی و اسلامی کو فراموش کر بیٹھا ہے۔ کہ اہل پاکستان ملک میں اور ملک سے باہر اس کردار کا مظاہرہ کرنے سے عاجز ہیں کہ ان کے دین و ایمان کا جوہر ہے۔ آپ کا دل ضرور دکھتا ہوگا کہ جب سعودی عرب میں سر قلم ہوتے ہیں۔ تو وہ پاکستانی ہوتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہے کہ کسی ملک میں گرفتاریاں ہوتی ہیں تو اکثریت میں پاکستانی ہیں۔ کیا کردار کی پستی کی یہ انتہا نہیں ہے کہ پاکستان ایئر فورس کا ایک فرد منشیات کے جرم میں گرفتار ہوتا ہے۔ یہ وہ شدید علالت ہے جو دولت کی ضرورت سے زیادہ کھا جانے کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے۔ بدہضمی کا شدید دورہ پڑا ہے اور جان جوکھوں میں ہے۔

محترم میاں نواز شریف صاحب! اہل وطن میں شرافت کا اہتمام کرنا ازبس ضروری ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پرائمری تعلیم ہر نونہال تک پہنچا دینا ازبس ضروری ہے اور اس تعلیم کا نصاب ایسا بنانا چاہیے کہ جو آج کے نونہال کو کل کا دیانت دار شہری بنانا سکھا دے۔ نصاب کی یکسر تبدیلی کی اشد ضرورت ہے۔ آج کے

ستر ملین نونہال جب زیور اخلاق و کردار سے آراستہ کر دیے جائیں گے تو کل کا پاکستانی سرِ افتخار سے بلند کرے گا۔ ہاں قرضوں سے نجات کو موجودہ قیادت نے اولیت دی ہے۔ یہ افتادِ فکر اس تکلیف کی غماض ہے۔ جس سے اقتدار کو سابقہ ہے اس ذیل میں موثر طریقہ ہائے فکر و عمل صرف دو ہو سکتے ہیں۔

☆ فیصلہ کیا جائے کہ اب ہرگز ایک پیسہ قرض نہیں لیں گے۔ فاقے کر لیں گے مگر قرض کا بار گراں نہیں اٹھائیں گے۔

☆ ہر فرد ملت کو غربت اختیار کرنے کا جذبہ دینا چاہیے۔ امارت کے مظاہر کو اب بند ہونا چاہیے۔ اور سنت محمدیؐ میں غربت اختیار کر لینی چاہیے۔

آئی۔ایم۔ایف اور ورلڈ بینک سے نجات حاصل کرنے کے لیے ان دونوں نکتوں کے ساتھ اقدامات کرنے چاہیں۔ یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ امریکہ اور یہودیوں کے یہ دونوں ادارے آئی۔ایم۔ ایف اور ورلڈ بینک پاکستان کو زبردستی قرض دے کر اسے دائماً مقروض رکھنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ صراط مستقیم اختیار کر لی جائے تو ہر برائی اور ہر کرپشن سے نجات مل جائے گی۔

ایجوکیٹرز:

ہمدرد مجلس شوریٰ اور ہمدرد نونہال اسمبلی کے لئے آپ تقریباً ہر ماہ صوبہ سرحد کا دورہ کرتے ہیں یہاں کے لوگوں کو آپ نے کیسا پایا؟

حکیم محمد سعید:

صوبہ سرحد سے میرا رشتہ موروثی ہے۔ میرے اجداد ہائے اعلیٰ اور میرے خاندان نے جب کاشغر سے ہجرت کا فیصلہ کیا تو اس کی منزل پشاور تھی۔ میرا خاندان اسی سال پشاور میں رہا ہے۔ پشاور سے ملتان کے لیے ایک ہجرت کی اور پھر دہلی جا کر آباد ہوئے۔ اب حالات دہلی اور ہند سے پریشان ہو کر ایک اور ہجرت میں نے کی اور پشاور کو اپنے دل میں جگہ دے دی پشاور اور سرحد تو میرا دل ہیں۔ ایسا دل جس میں محبتوں کا وفور ہے اور انسانیت کا شعور ہے۔

ایجوکیٹرز:

صوبہ سرحد میں تعلیم کی صورتحال کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

حکیم محمد سعید:

ذرا جمرود تک میرے ساتھ چلئے۔ ذرا اس پرائمری سکول کو دیکھیے یہاں سخت سردی میں عظیم نونہال ٹھنڈے برف فرش پر بیٹھ کر تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ۳۵۱ طلباء کیلئے چھ سات ٹیچرز ہیں! کیا اسے کسی بھی درجے میں شعور کہا جا سکتا ہے۔ صوبہ سرحد میں تعلیم کا حال پنجاب سے بھی بدتر ہے۔ میرے عزیز صوبہ سرحد اور پنجاب کی بات کیا ہے سندھ اور بلوچستان کون سے تعلیم یافتہ ہیں!

سن ۱۹۸۲ء میں چوتھی مردم شماری کے فارم کے ایک خانے میں تعلیم یافتہ کی تعریف یہ ہے کہ جو اپنے دستخط کر سکے۔ ۱۹۸۲ء میں نہ جانے کون سی حکومت تھی۔ مگر اس حکومت کا منبع فکر یہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں چھ سات فیصد تعلیم ہے۔ ہاں اگر دستخط کنندگان کو شریک کر لیا جائے تو ۳۶ فیصد ہو گی مگر کیا یہ حقیقی ہے؟

ایجوکیٹرز:

ہمدرد یونیورسٹی اور مدینتہ الحکمتہ کی تعلیمی خدمات اور مستقبل کے منصوبوں کے بارے میں اختصار سے کچھ بتائیے؟

حکیم محمد سعید:

غالباً آپ میرے طویل جوابات اور صاف صاف باتوں سے ذرا گھبرا گئے ہیں۔ اس لئے آپ نے اختصار کا مشورہ دیا ہے اب آپ کا مشورہ قبول کرتا ہوں۔ مدینتہ الحکمہ ایک ایسے منصوبے کا نام اور عنوان ہے جس کے لیے صحرائے سندھ و بلوچستان کی سرزمین کا انتخاب میں نے اس لیے کیا کہ اسلام کا آغاز صحرا سے ہوا تھا! اب گزشتہ ۱۵۔۱۶ سال کی پُرخلوص جدوجہد کے نتیجے میں مدینہ الحکمتہ اس طرح آباد ہو گیا ہے اور ہوتا جا رہا ہے۔ کہ یہاں ابتدائی تعلیم سے لے کر یونیورسٹی کی اعلیٰ تعلیم تک کا سامان ہو چکا ہے۔ اس مدینہ



الحکمہ کا مستقبل میرے ذہن میں روشن اورتاب ناک ہے اس کا انحصار کسی حد تک اس پر بھی ہے کہ پاکستان کے حاکم کون ہوتے ہیں۔ اس منصوبے کی آبیاری کے لیے علم و حکمت سے محبت ضروری ہے۔ ہر چند کہ مدینہ الحکمہ حکومت کا رہین منت نہیں ہے۔ بہ ایں ہمہ اسے ہمہ دم اور ہمہ وقت اخلاقی مدد درکار رہیگی۔

ہمدرد یونیورسٹی کی عمر چار سال ہے۔ چار سال میں یہاں تربیت و تعلیم کی رفتار یہ ہے کہ ہم نے اس سال ۲۴ فروری کو اولین جلسہ عطائے اسناد کر لیا ہے۔ اور عالی مرتبت گرامی قدر صدر پاکستان نے اس کی صدارت فرمائی۔ عزائم یہ ہیں کہ ہمدرد یونیورسٹی کو فکراً اور عملاً معناً ایک ریسرچ یونیورسٹی بنایا جائے۔ اس کے لیے دن رات جدوجہد جاری ہے۔ کیا پاکستان کے دولت مند تعلیم سے محبت کریں گے؟ کیا اہل ثروت اپنی دولت کو اس منصوبے پر خرچ کریں گے؟ یہ طبعی سوالات کل بھی جواب طلب تھے اور آج بھی ہیں!

ایجوکیٹرز:

آپ کی عمر اور اب بھی شب و روز محنت، ایک صحت مند جسم کے بغیر ناممکن ہے اتنی اچھی صحت کا راز؟

حکیم محمد سعید:

مختصراً میری اچھی صحت کا راز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی محبت مجھے حاصل ہے اور اس کے فضل و کرم کے لیے میں دست بدعا رہتا ہوں۔ اپنی محترمہ والدہ مرحومہ کی وصیت پر عمل کے طور پر میں کسی سے انتقام نہیں لیتا۔ اس لیے انتقام کی آگ میں ذرا بھی نہیں جلتا۔ انتقام کی آگ خون کو جلا کر سیاہ کر دیتی ہے اور صحت کو تباہ کرتی ہے۔

میں نے قناعت اور غربت اختیار کی ہے۔ لاکھوں، کروڑوں اور اربوں روپے کما کر کارہائے خیر میں خرچ کر دیئے ہیں۔ اس لئے میں اس دنیا میں ایک نہایت مطمئن انسان ہوں جسے انسان دوستی کی ہر مسرت حاصل ہے۔

میں پابند وقت ہوں اور وقت کو امانت الٰہی سمجھ کر اس کے خرچ میں کوئی خیانت نہیں کرتا۔ میں خدمت کر کے سرور حاصل کرتا ہوں۔ دوسروں کی مدد کر کے سرخرو ہونا چاہتا ہوں اور صحت کا راز اس میں جانتا ہوں کہ اچھائی ان کے ساتھ کرنی چاہیے اور ضرور کرنی چاہیے کہ جو برائی کرتے ہوں۔ کم خور ہوں۔ بلانوش نہیں ہوں۔ جینے کے لیے کھاتا ہوں۔ کھانے کے لئے زندہ نہیں رہتا۔



ایجوکیٹرز:

حکیم صاحب! ماہنامہ ایجوکیٹرز کے قارئین خصوصاً اساتذہ اور ماہرین تعلیم کے لئے آپ کا پیغام؟

حکیم محمد سعید:

میرے بھائی! اساتذہ اور ماہرین تعلیم کے لئے اس انٹرویو میں سب کچھ موجود ہے۔ آپ نے کون سا نکتہ ترک کیا ہے! بات ختم کرنے سے قبل معلم (استاد، ٹیچر) کا مقام ضرور متعین کروں گا۔ یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے کہ ان سے ایک دوست نے بھری مجلس میں سوال کیا کہ ایک خلیفہ ریاست اسلامی! کیا اس مرتبے پر فائز ہونے کے بعد بھی آپ کے دل میں اس سے بڑا بننے کی کوئی خواہش ہے؟ جواب متوقع یہ تھا کہ نہیں! اللہ کا شکر ہے! مگر جواب اثبات میں تھا۔ ہاں میں اس سے بھی بڑا بننے کا آرزومند ہوں۔ خواہاں ہوں۔ عالم حیرانی میں یک زبان ہوکر اصحاب مجلس نے کہا۔ پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟

جواب خلیفہ وقت یہ تھا کہ۔۔۔۔۔۔۔''میں معلم بننا چاہتا ہوں!''

انتخاب ماہنامہ ایجوکیٹرز- اکتوبر 2008ء

مکالمات سعید

سید مشتاق حسین بخاری

حکیم محمد سعید نے اپنی زندگی میں قابل قدر ادارے قائم کیے جو آج وطن عزیز کی ترقی میں شاندار خدمات انجام دے رہے ہیں ان اداروں میں ہمدرد مجلس شوریٰ اور ہمدرد نونہال اسمبلی دو ایسے ادارے ہیں جو حکیم مرحوم کی شہادت کے بعد بھی علم و ادب، آزادی، حریتِ فکر اور تشکیل قیادت کا فریضہ بڑے احسن طریقے سے انجام دے رہے ہیں حکیم مرحوم کا معمول تھا کہ وہ ہمدرد مجلس شوریٰ کے اجلاس میں خاموش مبصر کا کردار ادا کرتے اور اراکین شوریٰ اور مبصرین کے خیالات کو محض سنتے اور نوٹ فرماتے لیکن اگلے دن جب ہمدرد نونہال اسمبلی کے اجلاس میں شمولیت پر فرماتے تو وہاں ایک با مقصد اور مختصر خطاب بھی فرماتے ان کا یہ خطاب نئی نسل کو علم، آزادی اور جرات و بیباکی کی تلقین سے بھرپور ہوتا تھا ان کا اندازِ بیان اتنا متاثر کن اور مسحور کن ہوتا کہ سات آٹھ سال کے نونہال معصوم بھی انہیں سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہو جاتے۔

راقم نونہالوں کی ان مجالس میں باقاعدگی سے شریک ہوتا اور انہی سے متاثر ہو کر حکیم سعید کے ان خطابات کو قلمبند کر کے ''مکالمات سعید'' کے نام سے ماہنامہ ایجوکیٹرز اور روزنامہ ''آج'' پشاور میں شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ پہلا کالم چھپنے کے بعد حکیم سعید پشاور آئے تو ملاقات میں متبسم انداز سے فرمایا ''اچھا تو اب بات مکالمات تک پہنچ گئی ہے''؟ (ان کا اشارہ عظیم فلاسفر افلاطون کی کتاب ''مکالمات'' کی طرف تھا)۔

اپریل، مئی 1998ء کے دو شماروں میں حکیم سعید کے یہ خطابات شائع ہوئے ہی تھے کہ اکتوبر میں حکیم محمد سعید کو شہید کر دیا گیا۔ اس طرح وحشی قاتلوں کی گولیوں نے نہ صرف پوری ملتِ اسلامیہ کے ارمانوں کا خون کیا بلکہ ''مکالمات سعید'' کے اس کالم کو بھی خاموش کر دیا۔

جہالت، نفسا نفسی، استحصال اور خود غرض، سیاست کے اس دور میں وطن عزیز کی گنی چُنی چند شخصیات میں حکیم محمد سعید ایک ایسی سرکردہ شخصیت ہیں جو اپنے کردار عمل کے باعث ایک بین الاقوامی دانشور کا روپ اختیار کر چکے ہیں۔ اس وقت ان کا اٹھنا بیٹھنا، اوڑھنا بچھونا تعلیم ہے۔ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ تعلیم

کے لئے وقف ہے۔ طب اور حکمت ان کا پیشہ ہے لیکن ان کا مقصدِ زندگی جہالت میں ڈوبی ہوئی انسانیت کو تعلیم کی روشنی سے منور کرنا ہے۔ ان کا دل ملتِ اسلامیہ کے افراد کے ساتھ دھڑکتا ہے۔ وہ ملت پاکستان کو ایک عظیم الشان قوم دیکھنے کے لیے ہر وقت متمنی رہتے ہیں ان کے کے کردار عمل اور افکار کو تفصیل سے رقم کرنے کے لئے ایک نہیں سینکڑوں کتب درکار ہیں۔ وہ خاموش مگر روشن انقلاب کے امین ہیں۔ یہ بات یقینی ہے کہ مستقبل قریب میں تعلیم اور روشنی کا یہ انقلاب جہالت کے ایوانوں کو بہت جلد خس وخاشاک کی طرح بہا لے جائے گا۔

حکیم سعید ہر ماہ کراچی، لاہور، راولپنڈی اور پشاور کے نونہالوں کے پاس خود پہنچتے ہیں۔ ہمدرد نونہال اسمبلی سجا کر نونہالوں کو سچ کا پیغام دیتے ہیں۔ ان کے سچے جذبوں کو اپنی ساعتوں میں سمیٹ کر ان کو غور وفکر کے نئے نئے موضوعات سے آشنا کرتے ہیں۔ انہیں مستقبل میں ان کے کردار اور تعلیم کی اہمیت سے آگاہ کرتے ہیں۔ اس اسمبلی کے نونہال اپنی اور بڑوں کی اسمبلیوں کا موازنہ کرتے ہیں حکیم سعید انہیں بتاتے ہیں کہ ان کے بڑوں نے ان کی تعلیم اور بہتر مستقبل کے لیے کچھ نہیں کیا۔ نونہال جانتے ہیں کہ اکیسویں صدی ان کی اپنی صدی ہے۔ وہ اس بات کے لیے تیار ہو چکے ہیں کہ:

☆ اپنے بڑوں کی کوتاہیوں کا ازالہ کریں گے۔

☆ ہر پاکستانی کو تعلیم کی روشنی مہیا کریں گے۔

☆ اس ملک کو خود غرض سیاستدانوں کے چُنگل سے آزاد کر کے پاکستان کو دنیا کی عظیم الشان مملکت بنائیں گے۔ اس ماہ حکیم محمد سعید کا بچوں کے ساتھ ہمدرد نونہال اسمبلی پشاور میں ہونے والے والا براہ راست مکالمہ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ہم نونہال اسمبلی میں حکیم محمد سعید کے خطاب کو ”مکالمات سعید“ کے عنوان سے ہر مہینے آپ کی خدمت میں پیش کرتے رہیں گے۔

خطاب حکیم محمد سعید

محترم سپیکر صاحبہ:

مہمان خصوصی سید عاقل شاہ صاحب، ڈاکٹر عبدالمتین، عظیم نونہالو، محترم معزز اساتذہ اور محتشم

والدین۔سب سے پہلے اپنی طرف سے اور اپنے نونہالوں کی طرف سے مہمان خصوصی سید عاقل شاہ کا مشکور ہوں کہ وہ اپنا قیمتی وقت نکال کر یہاں آئے۔شاہ صاحب خود بھی پارلیمنٹ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن اس پارلیمنٹ اور ہماری پارلیمنٹ میں فرق ہے۔ وہاں جھوٹ بولنے کی اجازت ہے، یہاں جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں نونہالوں کے لئے آج کا موضوع ''میری پسندیدہ کتاب'' ہے آج ہم دیکھیں گے کہ بچے کیسی کتابیں پڑھنا پسند کرتے ہیں۔بچے اتنے اچھے مقرر ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ ان سے پہلے تقریر کرلوں کیونکہ ہوسکتا ہے مجھے بعد میں کوئی سنے ہی نہ۔بچے اتنے جراءتمند ہیں کہ وہ ہر بات سچ کہہ دیتے ہیں اس لئے آج پھر ہم ان سے سچ سننے کے لیے آئے ہیں۔میں تو صاف کہتا ہوں کہ رسول اکرم ﷺ کی بعثت ہی تعلیم وتربیت کے لیے ہوئی ہے۔ان کے مدمقابل جُہل اور کفر تھا جس کو ختم کرنے کے لئے آپ ﷺ تشریف لائے۔

قرآن حکیم کی پہلی آیت اقراء ہے قرآن بھی سب سے پہلے تعلیم کا حکم دیتا ہے اس لیے ہمیں تو قرآن پسند ہے اس لئے کہ یہ ایک دستورحیات ہے۔قرآن انسانوں کو آپس میں محبت کرنا سکھاتا ہے۔قرآن کہتا ہے کہ بڑی بات انتقام نہ لینا اور معاف کردینا ہے۔قرآن ہمیں امن سے رہنے اور فساد اور قتل وقتال سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ہمیں تو یہ کتاب اس لئے پسند ہے کہ اس میں اتنی اچھی باتیں بیان کی گئی ہیں۔میں نے نو سال کی عمر میں قرآن خفظ کرلیا تھا۔پیارے نونہالوں کو پتانہیں ہوگا کہ میں حافظ قرآن ہوں۔میں آج جو کچھ ہُوں اس کتاب کی وجہ سے ہوں۔

ہمارے حضور ﷺ کی زندگی قرآن کا نمونہ ہے۔حضور ﷺ نے سادگی،قناعت اور غربت اختیار کی تاکہ ان کی امت کو دولت سے محبت نہ ہو کیونکہ دولت آتی ہے تو محبت غائب ہوجاتی ہے۔پاکستان کے پانچ ہزار ارب پتی بچوں سے محبت نہیں کرتے۔ان کو اگر بچوں کا خیال ہوتا تو پاکستان کے پانچ کروڑ بچے تعلیم کی سہولتوں سے محروم نہ ہوتے۔میں کہتا ہوں اگر کسی کے پاس ایک ارب روپیہ ہے اور وہ اس میں سے ایک کروڑ سکول اور یونیورسٹی بنانے کے لیے خرچ کردے تو کیا فرق پڑتا ہے۔

آج کے موضوع کی طرف آئیں تو ہمیں تو اردو کی کتابیں پسند ہیں کیونکہ اردو میں عربی،پشتو،فارسی اور انگریزی کے الفاظ شامل ہیں اور یہ دنیا کی پانچویں بڑی بولی جانے والی زبان ہے لہٰذا ہم تو اردو سے محبت

کرتے ہیں۔ میں تو بچوں کو آٹو گراف دیتے وقت لکھتا ہوں۔ کتاب کھولو ترقی کا ہر دروازہ کھل جائے گا۔

میں نے بچوں کے لیے اب تک 200 کتابیں لکھی ہیں ہمارے ادارے ہمدرد نے اب تک بچوں کے لئے 450 کتابیں شائع کی ہیں اب میں نوجوان ادب پر لکھ رہا ہوں۔ ساٹھ کتابیں شائع ہو چکی ہیں ہم اب انقلابی ہو رہے ہیں لہٰذا سن لیں کہ اگر پاکستان میں مساوات نہ آئی تو یہ نوجوان دولت مندوں سے دولت چھین لیں گے اور میں اس دن کے لیے زندہ ہوں کہ میں دیکھوں کہ یہ محلات یا تو منہدم ہو جائیں یا ان کو خالی کر کے لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

میں نے چین کے سابق وزیر اعظم چو این لائی سے پوچھا کہ چین کی ترقی کا راز کیا ہے بڑے اصرار کے بعد انہوں نے بتایا کہ اس کی دو وجوہات ہیں۔

1۔ آزادی کے بعد سے جو لوگ چین کی آزادی کے دشمن تھے ان کو ہم نے ختم کر دیا۔

2۔ ہم نے بچے بچے کو تعلیم دی ہے اور کسی فرد کو تعلیم کے بغیر نہیں چھوڑا۔

لہٰذا میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ بچے اب تعلیم کے حق کے لیے درخواست نہیں دیں گے بلکہ یہ اپنا حق مانگیں گے۔ ہمارے ایک سابق اور زندہ وزیر اعظم کے علاقے میں ابھی تک تعلیم ممنوع ہے۔ اب یہ نہیں ہوگا اب یہ ممکن نہیں ہے کی یہ پانچ کروڑ بچے سکول نہ جائیں۔ اب یہ بھیک نہیں مانگیں گے فیکٹریوں میں نہیں جائیں گے۔ اب انقلاب آئے گا۔ حکومت کو سن لینا چاہیے اور سمجھ لینا چاہیے کہ ان بچوں کو تعلیم سے محروم کرنا گناہ ہے جو ہیئت حاکمہ تعلیم کا فرض پورا نہیں کرتی وہ گناہ گار ہے کیونکہ حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق تعلیم فرض ہے۔ یہ ہمدرد نونہال اسمبلی صرف نمائش کے لیے نہیں ہے بلکہ علم سکھانے اور تربیت دینے کے لئے ہے۔ میں یہاں بچوں کو یہ مبارکباد بھی دینا چاہتا ہوں کہ یہ بچے اب وقت کے پابند ہو گئے ہیں اب دیکھتے ہیں کہ یہ بچے کیا کہتے ہیں۔

ایجوکیٹرز۔۔۔جنوری 2010ء

طلبہ میں بدنظمی کے مسائل

سید مشتاق حسین بخاری

(یہ مضمون بحیثیت طالب علم ''ایم۔اے ایجوکیشن رقم کیا اور ادارہ ''تعلیم و تحقیق'' کے سہ ماہی مجلّے ''تعلیم و تحقیق'' میں 1969ء میں شائع ہوا، بعدازاں ایک اور تعلیمی مجلّے ''شاہراہ تعلیم'' میں بھی شائع ہوا۔)

یوں تو انسانی زندگی کے ہر شعبے کیلئے نظم وضبط لازمی ہے۔لیکن تعلیم اور تعلیمی اداروں میں اس کا وجود زیادہ ضروری ہے۔تعلیم کے شعبے کو جہاں اور کئی مسائل درپیش ہیں وہاں نظم وضبط کا مسئلہ سرفہرست ہے۔ ماضی میں نظم وضبط کا مطلب ایک تعلیمی ادارے میں یہ لیا جاتا تھا کہ طلبہ پر اس حد تک کنٹرول ہو کہ وہ استاد کو ایک مطلق العنان حاکم اور تعلیمی ادارے کو ایک ایسا ادارہ سمجھیں جس میں ہر حکم کی تعمیل بغیر کسی چوں وچراں کے لازمی ہو لیکن دراصل اس قسم کے حالات میں طلبہ کیلئے ذہنی قابلیت کو برقرار رکھنا اور تخلیقی قوتوں کو بروئے کار لانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

نظم وضبط کا مفہوم اگر زمانہ جدید کے مطابق لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ طلبہ کو اس قسم کی تربیت دی جائے کہ وہ مخصوص معینہ اصولوں کے مطابق عمل کریں۔ دوسرے الفاظ میں ان کو چند قاعدے اور قوانین سیکھنے میں مدد دی جائے اس کے برعکس صورت حال کو ہم بدنظمی کا نام دے سکتے ہیں۔

کسی بھی تعلیمی ادارے میں بدنظمی کی ذمہ داری بعض اوقات استاد پر ڈالی جاتی ہے اور بعض اوقات خود طلبہ کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے۔لیکن تلاش وتجسس کے اس محدود دائرے سے نکل کر ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ اس مسئلہ کے واقعی اسباب کون سے ہیں؟

نظم وضبط پر دو قسم کے عوامل اثر انداز ہوتے ہیں داخلی اور خارجی۔ جہاں تک داخلی عوامل کا تعلق ہے اس میں کمرہ جماعت اور استاد کی ذات طلباء اور ان کی نفسیات وجذباتی کیفیات اور مدرسے کے جملہ اندرونی معاملات ہیں۔ خارجی عوامل میں ہم طلبہ کا گھریلو ماحول، والدین، معاشرہ اور معاشرے کی اقدار کو شامل کر سکتے ہیں۔ ذیل میں ہم ان کا الگ الگ جائزہ لیتے ہیں۔

داخلی عوامل:

کمرہ جماعت میں بحث مباحثہ کے لیے استاد کو چند خاص اصول وضع کرنے چاہیئں اور نظم وضبط سے بحث مباحثہ کرانا چاہیئے۔ طلباء کو آزادی بے شک دی جائے لیکن انہیں بدنظمی کی عادت ہرگز نہیں ڈالنی چاہیئے۔ طلبہ میں بے چینی کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ استاد اور طلبہ کے درمیان کوئی قریبی تعلق نہیں ہوتا اور بعض اوقات اس حد تک کہ استاد کو طلبہ کے ناموں تک سے واقفیت نہیں ہوتی۔ یہ صورتحال ہر دو اطراف کے لیے سودمند نہیں ہے۔ استاد کو چاہیے کہ اپنے شاگردوں کے متعلق پوری پوری معلومات رکھے تاکہ استاد اور شاگرد میں قرب کا احساس پیدا ہو۔

استاد کو صرف یہی نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ وہ فقط ایک بارعب انسان ہے بلکہ اسے چاہیے کہ اس قسم کے حالات پیدا کرے جن میں طلبہ اس کو اپنا سمجھنے لگیں اور جب وہ اس کو اپنا سمجھنے لگیں گے تو اصول وضوابط کو اپنانے اور ان پر عمل کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کریں گے۔ کلاس میں نظم وضبط کی ذمہ داری استاد کی ذات پر عائد ہوتی ہے۔ استاد اگر منصفانہ اور مخلصانہ رویہ اختیار کرے گا تو حالات اس کے ہاتھ میں رہیں گے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ استاد طلبہ سے ضرورت سے زیادہ میل جول رکھے۔ اگر استاد کوئی ایسی حکمت عملی اختیار کرے تو شاگرد بھی اس سے بے تکلفانہ دوستی کا تقاضہ کریں گے۔ اسی صورت حال میں پڑھنے اور پڑھانے کے سنجیدہ ماحول سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ طلبہ سے کسی قسم کا رویہ اختیار کرتے وقت استاد کو انصاف اور مساوات کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔

سبق کی ترتیب اور نوعیت:

سبق کی ترتیب، نوعیت اور دلچسپی کے ذریعے نظم وضبط قائم رکھا جاتا ہے۔ اس کا دارومدار اس بات پر ہے کہ استاد نے اپنے سبق کو کس طرح تیار کیا ہے؟ کس قسم کے سوالات کی گنجائش ہے اور طلبہ اس میں کہاں تک دلچسپی لیتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس اگر سبق، نوعیت میں غیر دلچسپ اور غیر مربوط ہوگا تو کلاس میں بدنظمی پیدا ہونے کے امکانات زیادہ ہوں گے۔ نزاعی مسائل پر بحث کرتے وقت استاد کو نہایت ہی غیر جانبدار اور محتاط رویہ اختیار کرنا چاہیے تاکہ استاد اور طلبہ کے درمیان اور نہ ہی شاگردوں کے گروہوں کے درمیان تلخی پیدا ہوسکے۔

خارجی عوامل:

بدنظمی کے اندرونی عوامل کے علاوہ ہم دیکھتے ہیں کہ طلبہ آئے دن مظاہرے اور ہڑتال کرتے ہیں اور بعض اوقات تشدد اور لاقانونیت پر اتر آتے ہیں۔ دنیا کے بیشتر ممالک اس مسئلہ سے دوچار ہیں۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ طلباء کے مطالبات منظور نہیں ہوئے اور انجام کار، کبھی تو طلبہ عوامی جائیدادوں کو نقصان پہنچا کر توڑ پھوڑ کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہیں اور کبھی پولیس کے ساتھ مسلح تصادم ہوتا ہے۔ بہ نظر غور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک طریقہ بھی اس مسئلے کا کوئی مثبت حل پیش نہیں کرسکتا۔ ایک اہم وجہ جس کی ذمہ داری معاشرے پر عائد ہوتی ہے، معاشرے کی اقدار ہیں مثلاً اس وقت ہمارے معاشرے میں دولت کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ ان حالات میں طالب علم یہی سمجھتا ہے کہ اس کا منتہاے مقصود اچھی تنخواہ اور بہتر سروس حاصل کرنا اور معاشرے میں بہتر معاشی مقام حاصل کرنا ہے۔ نتیجہ کے طور پر قومی مقاصد اور اخلاقی اقدار کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ تعلیم کا مقصد قطعاً یہ نہیں ہے کہ معاشرے کو امیر اور غریب کے طبقات میں تقسیم کردے۔ بلکہ بقول جان ڈیوی (ماہرِ تعلیم) کی مدد سے دراصل ہم اپنے آپ کو پہچانتے ہیں اور اپنی خودی کو تقویت بخشتے ہیں۔ جو لوگ کاغذ کے ایک ٹکڑے (ڈگری) کو ہی تعلیم کا منتہائے مقصود سمجھ بیٹھتے ہیں وہ تعلیم کا صحیح مقصد حاصل نہیں کرسکتے۔

طلبہ میں نظم وضبط کے فقدان کی ایک وجہ مدرسوں اور دوسرے تعلیمی اداروں میں طلبہ کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہے اور اس کے مقابلے میں نئے اداروں کے قیام کا فقدان ہے۔ ایسے حالات میں نہ تو استاد کے ساتھ اور نہ ہی طلبہ کے ساتھ کسی انصاف کی توقع کی جاسکتی ہے۔ یہ صورتحال بالآخر بدنظمی کا سبب بنتی ہے۔

طلباء کی بے چینی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انہیں زمانہ طالب علمی میں اپنے روشن مستقبل کی ایک بھی کرن نظر نہیں آتی۔ بچپن میں والدین انہیں اپنے مستقبل کی امیدوں کے حسین خواب دکھاتے ہیں اور جوانی میں وہ جذبات سے اٹڈی ہوئی خواہشات کو اخلاق و کردار اور تعلیمی معاشرتی اقدار کا پابند بنا لیتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود جب وہ دیکھتے ہیں کہ انہی کے معاشرے کا ایک فرد جوان پابندیوں کو توڑ کر تعلیم کے بظاہر پابند ماحول کو چھوڑ کر معاشرے میں تجارت، چور بازاری اور ذخیرہ اندوزی اور دوسرے ذرائع سے اپنی زندگی پر

آسایش اور پرتکلف بنالیتے ہیں اور تمام دنیوی تکالیف سے آزاد ہو جاتے ہیں تو طلبہ کو بچپن اور دوران طالب علمی کے حسین خواب مسمار ہوتے نظر آتے ہیں کیونکہ انہیں مستقبل میں پُر آسایش زندگی کا میسر آنا تو درکنار اپنے حسبِ حال روزگار ملنے کی توقع بھی نہیں ہوتی۔ ایسے حالات میں طلبہ میں بے چینی کا پیدا ہو جانا اور اس کا مختلف طریقوں سے اظہار کرنا کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ طلبہ کا مستقبل کیوں روشن نہیں ہوتا؟ انہیں معاشرے سے اپنی کی ہوئی محنت کا معاوضہ کیوں نہیں ملتا؟ اتنے سالوں کی محنت کے بعد جب وہ معاشرے میں آتے ہیں تو اس میں مطابقت کیوں نہیں کر سکتے؟ ان چیزوں کا جواب ڈھونڈتے وقت اپنے نظام تعلیم میں چند ایک خامیاں جواباً ہمارے سامنے آتی ہیں۔

نظامِ تعلیم کی خامیاں:

اس سلسلے میں سب سے پہلی خامی ہمارے نصاب تعلیم میں ہے۔ ہمارے نصاب تعلیم کا رابطہ عام زندگی سے بہت کم ہے۔ ہمارے مدرسے کے طالب علم کو عملی زندگی کے پیش نظر آئندہ مسائل کے متعلق کچھ نہیں بتایا جاتا ہے۔ اسے چند گھسے پٹے اصول زبانی رٹوا دیے جاتے ہیں اور جب وہ عملی زندگی میں قدم رکھتا ہے تو اپنے آپ کو بالکل اجنبی محسوس کرتا ہے۔ دوران تعلیم اجنبیت کا یہ ماحول اس کے لیے کسی طرح سامان تسلی فراہم نہیں کرسکتا۔ ہمارے نصاب تعلیم میں دوسری بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں علمی کام کی بجائے نظری کام کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ دراصل ہمارے موجودہ نظام تعلیم کی دیواریں لارڈ میکالے کے تیار کردہ نظام تعلیم کی بنیادوں پر کھڑی کی گئی ہیں۔ جن کا بڑا مقصد ہندوستان میں برطانوی نظام حکومت کو سہارا دینے کیلئے کارندے (کلرک) پیدا کرنا تھا۔ یہ نظام تعلیم اس وقت ہمارے لئے بالکل بے سود ہو چکا ہے۔

ماہرین تعلیم کی کوششوں سے چند ایک تبدیلیاں لائی گئی ہیں جن کے ذریعے ہمارے نظام تعلیم میں عملی تعلیم کا تصور پیدا ہو چکا ہے۔ لیکن اس میں بھی ایک خامی یہ ہے کہ افرادی قوت کو متوازن طریقے سے استعمال نہیں کیا جاتا۔ نتیجہ کے طور پر افرادی قوت سے ہمارے قومی تقاضے پورے نہیں ہورہے۔ کہیں تو تعلیمی پیداوار قومی ضروریات کو پورا ہی نہیں کر پاتی اور کہیں زائد از ضرورت ہو جاتی ہے۔ نتیجہ ہر دو حالات میں بے روزگاری کی شکل میں ہوتا ہے۔ بے روزگاری ایک بہت بڑی معاشی اور معاشرتی بیماری ہے جو بے چینی اور



عدم اطمینانی جیسی مزید بیماریوں کو جنم دیتی ہے۔

طلبہ کی موجودہ بدنظمی اور بے اطمینانی کی وجوہات معلوم کرتے وقت ہم ملک کی سیاسی صورتحال کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اس سلسلے میں یہ بات قابل غور ہے کہ طلبہ کا ملکی سیاست سے متاثر ہونا کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ دراصل طلبہ کو زندگی (خاص کر سیاسی میدان) کا ایک فعال طبقہ سمجھا جاتا ہے اور یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ طلبہ کو جلد یا بدیر سیاست کے خارزار سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ اس صورت میں انہیں سیاسی دنیا سے دور رکھنا کوئی خاص دانش مندی کی بات نہیں ہوگی۔ البتہ یہ چیز دیکھنے میں آئی ہے کہ طلبہ زائد از ضرورت سیاست کا اثر قبول کر لیتے ہیں اور اکثر اوقات سیاستدانوں کی باتوں میں آجاتے ہیں۔ طلبہ کے لئے بہتر طریقہ یہی ہوسکتا ہے کہ وہ سیاسی کشمکش میں ایک حریف بننے اور عملی طور پر حصہ لینے کی بجائے اسے تنقیدی نقطہ نگاہ سے دیکھیں۔ بصورت دیگر ان کے حقیقی رستے سے بھٹک جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

اندرونی سیاسی کشمکش میں طلبہ مختلف گروہوں کے نظریاتی اختلافات اور سیاسی ہمدردیاں بھی ان میں بدنظمی اور باہمی تصادم کا سبب بن سکتی ہیں۔ اصل میں یہی ایک بڑی وجہ ہے جسے پیش نظر رکھ کر طلبہ کو سیاست کے میدان میں ایک حریف بننے سے باز رہنے کی تلقین کی جاتی ہے۔

تعلیمی ماحول اور تعلیمی اداروں میں آزادی اور جمہوریت کا ہونا ازبس ضروری ہے۔ انسانی نفسیات اور انسانی معاشرے کا فطری عمل ہے کہ جب پابندیاں حد سے تجاوز کر جاتی ہے تو انجام کار یہ بدنظمی اور انقلاب کی صورت اختیار کر جاتی ہیں۔ یہی حال طلبہ کے معاشرہ کا بھی ہے۔ فرصت کے اوقات ایک طالب علم کی زندگی پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ اگر ان اوقات کو موزوں طریقے سے استعمال کیا جائے تو یہ تعمیرِ کردار میں مد ثابت ہو سکتے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے پاکستان کے اکثر تعلیمی اداروں کے طلبہ کے لئے ایسا کوئی انتظام نہیں ہے جس کے ذریعے طلبہ فرصت کے اوقات کو مفید مقصد کے حصول میں صرف کر سکیں۔ اس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ طلبہ فارغ بیٹھے بدنظمی کا سبب بنتے ہیں۔

طلبہ میں ایک خرابی یہ ہے کہ وہ مغربی ثقافت کی اندھا دھند تقلید کرتے ہیں اور بجائے اچھی چیزوں کے معیوب عادات اپنا لیتے ہیں۔ مغربی عادات واطوار اور افکار وخیالات کی نقالی ہمارے طالب علموں کی

سیرت و کردار کو گھن کی طرح کھائی جا رہی ہے۔ ہمارے طالب علم اپنی تہذیبی روایات سے روز بروز دور ہٹ رہے ہیں۔ مغربی لٹریچر، فلم اور فحش گانے طلبہ کے خیالات میں پراگندگی کا باعث ہیں۔ جس کا نتیجہ بلآخر طلبہ میں بدنظمی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ دراصل طلبہ میں بدنظمی کے بے شمار اسباب ہیں اور اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے اور طلبہ کو ایک روشن مستقبل کا صحیح راستہ دکھانے کے لئے ضروری ہے کہ ان تمام اسباب کو پیش نظر رکھ کر ان کا خاطر خواہ حل تلاش کیا جائے۔

(اشاعت نو ماہنامہ ایجوکیٹرز اکتوبر 2008ء)

ادبیات

تم ایک گورکھ دھندہ ہو

میری پسند کا عارفانہ کلام (جو معروف قوالی کی صورت میں گایا گیا)

تم اِک گورکھ دھندا ہو
نت نئے نقش بناتے ہو مٹا دیتے ہو
جانے کس جرمِ تمنا کی سزا دیتے ہو

کبھی کنکر کو بنا دیتے ہو ہیرے کی کنی
کبھی ہیروں کو بھی مٹی میں ملا دیتے ہو

زندگی کتنے مُردوں کو عطا کی جس نے
وہ مسیحا بھی صلیبوں پہ سجا دیتے ہو

خواہش دید جو کر بیٹھے سرِطُور کوئی
طُور ہی برق تجلی سے جلا دیتے ہو

نارِ نمرود میں ڈلواتے ہو خود اپنا خلیل
خود ہی نار کو گلزار بنا دیتے ہو

کنہان میں پھینکو کبھی ماہِ کنہان
نور یعقوب کی آنکھوں کا بجھا دیتے ہو

بیچ کر یوسف کو کبھی مصر کے بازاروں میں
آخر کار شہِ مصر بنا دیتے ہو

جذب و مستی کو جو منزل پہ پہنچاتا ہے کوئی
بیٹھ کر دل میں انا الحق کی صدا دیتے ہو

خود ہی لگواتے ہو پھر کفر کے فتوے بھی
خود ہی منصور کو سولی پہ چڑھا دیتے ہو

اپنی ہستی بھی وہ ایک روز گنوا بیٹھتا ہے
اپنے درشن کی لگن جس کو لگا دیتے ہو

کوئی رانجھا جو کبھی کھوج میں نکلے
تم اسے جھنگ کے میلے میں رُلا دیتے ہو

جستجو کی تمہاری جو چلے قیس کوئی
اس کو مجنوں کسی لیلیٰ کا بنا دیتے ہو

جوت سسی کی اگر من میں تمہاری جاگے
تم اسے تپتے ہوئے تھل میں جلا دیتے ہو

سوہنی گر تم کو مہینوال تصور کرلے
اس کو بکھری ہوئی لہروں میں بہا دیتے ہو

خود جو چاہو تو سرِ عرش بلا کر محبوب
ایک ہی رات میں معراج کرا دیتے ہو

تم اِک گورکھ دھندا ہو
تم اِک گورکھ دھندا ہو

..................☆☆☆..................

مَٹی

(ایک پسندیدہ نظم شاعرعرفان محمودعرفی)

ہم آگ، پانی، ہوا کے پیکر۔ مگر ہمارا خمیر مَٹی

غرور و کذب و ریا کے اڑتے ہوئے غباروں میں، آسمانوں کو چُھو رہے ہیں

مگر ہمارا خمیر مَٹی

مِری نظر آسماں سے آگے،

مگر مِرا انتخاب مَٹی

سبھی ہیں دامن گریز مجھ سے

ہے میری کتنی خراب مَٹی

مگر وہ مٹی کہ جس پہ نازاں ہے آسمان و زمین کی مٹی

وہ اور مَٹی

میں اور مَٹی

وہ حرف حق کا نزول مَٹی

میں اس کے قدموں کی دھول مَٹی

وہ آدمی کا وقار مَٹی

میں پُر خطا شرمسار مَٹی

وہ مَٹی جو کہ خلوص و صدِق و صفا کے نم سے گندھی ہوئی تھی

وفا و اِنس و حیا کی خوشبو سے جس کا پیکر مہک رہا تھا

کمال مَٹی تھی جس کی عظمت پہ نُوریوں کو بھی رشک آیا

وہ رفعتوں کی امین مَٹی !

کہ جس کے نَعلین چُومنے کو ہر اک بلندی ترس رہی تھی



عروجِ آدم کی خاطر اس نے زمین کو مَسکن بنا لیا تھا
وہ مَٹی افلاک نے بھی دیکھی!
کہ جس نے اڑ کر
عدُو کی بینائی سلب کر لی
اُسی کے نم نے جھُلستے صحرا میں پھول ایسے کھلا دیئے ہیں
کہ جن کی خوشبو سے سارا عالم مہک رہا ہے
میرے خدا کی حبیب مَٹی، جو رازدارِ حروفِ کُن ہے
وہ مٹی جس پر ہر ایک ساعت
خدائے برتر اور اس کے کرُّوبیاں کروڑوں درود بھیجیں
وہ خوش سخن، خوش خصال مٹی،
لطافتوں سے نہال مَٹی
وہ خوبرو، پُر جمال مَٹی،
وہ بے بَدل، بے مثال مَٹی
وہ دِل رُبا، دِل پزیر مَٹی، مُحبتوں کی سفیر مَٹی
وہ میرے بدُ رُالدُجےٰ کی مَٹی
جو میری جیسی نہ جانے کتنی ظلمتوں کو اُجالتی ہے
بصد محبت ہمارے ربِ جمیل نے وہ سنواری مَٹی
زَہے مقدر کہ اس کے قدموں میں جا بچھِے جو ہماری مَٹی
وفا کی مَٹی!
کریم مَٹی پہ مِٹی تو رضائے ربِ رحیم ٹھہری
ہر ایک ساعت میں جو شریکِ غمِ رسول کریم ٹھہری





وہ مَٹّی !

جس نے کہ بوریے کا لباس اک دن پہن لیا تھا

تو آسمانوں پہ سب فرشتوں کو حکمِ تقلید ہو گیا تھا

وہ مُونس و غمگسار مَٹّی

رسول ﷺ کی یارِ غار مَٹّی

وہ ایک مَٹّی

کہ جس کی ہیبت سے دَشت و کوہسار کانپتے تھے

کسی کے قدموں میں جا بچھی تو!

زمانے اس کی پناہ میں تھے

وہ منصفی کی مثال مَٹّی

میرے خدا کا جلال مَٹّی

حیا کی مَٹّی

شرافتوں کی امین مَٹّی میں ضَم ہوئی تو لطافتوں اور

سخاوتوں کے رقم کیے کتنے باب اُس نے

اور ایک تھی بُوتراب مَٹّی !

وہ مَٹّی جس نے گھنے اندھیروں میں روشنی دی

وہ جس نے اندیشۂ خزاں سے لرزتی کلیوں کو تازگی دی

ہر ایک رَن جس سے کانپتا تھا

جو بابِ علوم و فنون ٹھہری

وہ مَٹّی میرا جنون ٹھہری

وہ ایک مَٹّی



جو گونج اٹھی تو اُسے موذن کہا گیا تھا

جو ایک ساعت کو چُپ ہوئی تو

سحر نے چہرہ چھپا لیا تھا

سیاہ مَٹی

کہ جس کی تذلیل میں عَدُو نے ہر اک رویہ روا رکھا تھا

اُسی کے قدموں کی چاپ کو آسماں پہ اک دن سنا گیا تھا

اور ایک عاشق مزاج مَٹی

کہ عمر بھر جس کو ہجرتوں کے عذاب سَہہ کر وصالِ جاناں کا ایک لمحہ بھی مل نہ پایا......(حضرت اویس قرنیؓ)

وہ جس کے کاسے میں دید کا کوئی ایک دینار بھی نہیں تھا

وہ جس نے غمخواریِ صنم کی نئی روش کو جنم دیا تھا

وہ جس کو تحفے میں یار کا وہ لباس عطا کر دیا گیا تھا

کہ جس میں لوح و قلم کی کنجی چھپی ہوئی تھی

وہ پیرھن جس میں اُس کے محبوب کے مقدس بدن کی خوشبو رَچی ہوئی تھی

کمال مَٹی تھی جس نے ملبوس یار پر سجدہ ریز ہو کر

وقار سجدہ بڑھا دیا تھا

وہ عاشقوں کی وکیل مَٹی

محبتوں کی دلیل مَٹی

اور ایک مَٹی!

جو کربلا کی زمین میں مِٹ کر سلامتی کی نوید ٹھہری

جو ظلم کی بادشاہتوں کے لیے قضا کی وعید ٹھہری

اور ایک مٹی!

کہ جو اَبد تک لعین ہو کر پلید ٹھہری

علامہ اقبال کی رباعی کی داستان

(سید رسول ترگوی)



یہ رباعی علامہ اقبال کی ہے مگر ان کی کسی کتاب یا کلیات میں موجود نہیں ہے۔ اس کا ترجمہ یوں ہے کہ اے اللہ: تو دو جہانوں کو عطا کرنے والا ہے جبکہ میں تیرا منگتا و فقیر ھوں. روزِ محشر میری معذرت کو پذیرائی بخش کر قبول فرمانا اور مجھے بخش دینا. اگر میرے نامہ اعمال کا حساب ناگزیر ہو تو پھر اے میرے مولی۔ اسے میرے آقا محمد مصطفیٰ ﷺ کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنا۔

اس رباعی کی روداد بھی بڑی دلچسپ ہے۔ ایک صدی سے زائد کا عرصہ ہوا۔ ڈیرہ غازی خان کے ترین قبیلے سے تعلق رکھنے والے اللہ داد خان کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا۔ اس کا نام محمد رمضان رکھا گیا۔ رمضان ہونہار طالب علم نکلا۔ بی۔ اے کے بعد بی۔ ٹی کا امتحان پاس کیا اور بطور انگلش ٹیچر سرکاری ملازمت اختیار کر لی۔ طبیعت میں فقیرانہ استغنا بھی تھا اور صوفیانہ بے نیازی بھی۔ اعلی تعلیم یافتہ ہونے اور سرکار انگلیشیہ کے

ملازم ہونے کے باوجود کبھی دیسی لباس ترک نہ کیا۔ چہرہ سنت رسول سے سجا تھا ہمیشہ ہاتھ میں ایک موٹی سوٹی اور کندھے پر بڑا سا تولیہ ڈالے رکھتے۔ فارسی اور اردو کے شعر کہتے۔ علامہ اقبال کے عشاق میں سے تھے۔ انکے کئی اشعار پہ تضمین کہے جو علامہ نے بہت پسند کی۔ مولانا فیض محمد شاہ جمالی کے مرید اور حضرت خواجہ نظام الدین تونسوی کے حلقہ نشین تھے۔ اپنے ایک دوست عطا محمد جسکانی سے گہرے لگاؤ کے باعث عطائی تخلص اختیار کیا اور محمد رمضان عطائی کہلانے لگے۔ یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب عطائی ڈیرہ غازی خان کے گورنمنٹ اسکول میں تعینات تھے۔ انہی دنوں ان کے قریبی شناسا مولانا محمد ابراہیم ناگی بھی ڈیرہ غازی خان کے سب جج تھے۔ ابراہیم ناگی ایک درویش منش اور صاحب علم شخصیت تھے۔ آپ انیس ناگی کے والد اور معروف صحافی واصف ناگی کے دادا تھے۔ علامہ اقبال سے گہری محبت رمضان عطائی اور ابراہیم ناگی کے درمیان دوستانہ قربت کی قدر مشترک تھی۔ مولانا ابراہیم کو علامہ اقبال سے ملاقاتوں کا اعزاز بھی حاصل تھا۔ ایک دن مولانا ابراہیم لاہور گئے علامہ سے ملاقات ہوئی۔ واپس آئے تو سر شام معمول کی محفل جمی۔ علامہ سے ملاقات کا ذکر چلا تو عطائی کا جنوں سلگنے لگا۔ مولانا نے جیب سے کاغذ کا ایک پرزہ نکال کر عطائی کو دکھایا۔ یہ علامہ کی اپنی تحریر تھی۔ مولانا کہنے لگے۔ لو عطائی! علامہ صاحب کی تازہ رباعی سنو۔ پھر وہ ایک عجب پر کیف انداز میں پڑھنے لگے۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر

روزِ محشر عذر ہائے من پذیر

گر حسابم را تو بینی ناگزیر

از نگاہِ مصطفیٰؐ پنہاں بگیر

مولانا کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے لیکن محمد رمضان عطائی کی کیفیت روتے روتے دگرگوں ہو گئی۔ اسی عالم وجد میں فرش پر گرے۔ چوٹ آئی اور بے ہوش ہو گئے۔ رباعی ان کے دل پر نقش ہو کے رہ گئی۔ اٹھتے بیٹھتے گنگناتے اور روتے رہے انہی دنوں حج پر گئے۔ خود اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں کہ جب حجاج درود وظائف میں مصروف ہوتے تو وہ زار و قطار روتے اور علامہ کی رباعی پڑھتے رہتے۔

حج سے واپسی پر دل میں ایک عجب آرزو کی کونپل پھوٹی۔ کاش یہ رباعی میری ہوتی یا مجھے مل جاتی یہ خیال آتے ہی علامہ اقبال کے نام ایک خط لکھا آپ سر ہیں فقیر بے سر۔ آپ اقبال ہیں، فقیر مجسم ادبار۔ لیکن طبع کسی صورت کم نہیں پائی انہوں نے علامہ کے اشعار کی تضمین اور اپنے فارسی اشعار کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا فقیر کی تمنا ہے کہ فقیر کا تمام دیوان لے لیں اور یہ رباعی مجھے عطا فرما دیں۔ کچھ ہی دن گزرے تھے کہ انہیں

علامہ کی طرف سے ایک مختصر سا خط موصول ہوا۔لکھا تھا:

جناب محمد رمضان صاحب عطائی۔سینئر انگلش ماسٹر۔گورنمنٹ ہائی اسکول ڈیرہ غازی خان۔

لاہور:19/فروری 1937

جناب من: میں ایک مدت سے صاحب فراش ہوں خط وکتابت سے معذور ہوں باقی،شعرکسی کی ملکیت نہیں آپ بلاتکلف وہ رباعی، جوآپ کو پسند آگئی ہے اپنے نام سے مشہور کریں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔

فقط:محمد اقبال۔لاہور

علامہ نے یہ رباعی اپنی نئی کتاب ''ارمغان حجاز'' کے لئے منتخب کررکھی تھی۔عطائی کی نذر کردینے کے بعدانہوں نے اسے کتاب سے خارج کر کے،تقریباًاسی مفہوم کی حامل ایک نئی رباعی کہی جوارمغان حجاز میں شامل ہے۔

به پایاں چوں رسد ایں عالم پیر
شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر
مکن رسوا حضور خواجہ ما را
حساب من زچشمِ او نہاں گیر

ترجمہ:(اے میرے رب!روز قیامت یہ جہان پیر اپنے انجام کوپہنچ جائے اور ہر پوشیدہ تقدیر ظاہر ہوجائے تو اس دن مجھے میرے آقاومولا کے حضور رسوانہ کرنا اور میرانامہ اعمال آپ ﷺ کی نگاہوں سے چھپارکھنا)

ایم اے فارسی کا امتحان دینے لاہور گئے تو عطائی،شکریہ ادا کرنے علامہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ہمراہ جانیوالے چوہدری فضل داد نے تعارف کراتے ہوئے کہا یہ بوڑھا طوطا ایم اے فارسی کا امتحان دینے آیاہے علامہ ایک ککھری جھلنگا چارپائی پر احرام نما سفید چادر اوڑھے لیٹے تھے۔بولے۔عاشق کبھی بوڑھا نہیں ہوتا رباعی کا ذکر چل نکلا۔عطائی نے جذب وکیف سے پڑھنا شروع کیا۔تُوغنی از ہر دو عالم.......... علامہ کی آنکھوں سے اشک جاری ہوگئے۔اتنا روئے،اتنا روئے کہ سفید چادر کے پلو بھیگ گئے۔آخری ملاقات علامہ کے انتقال سے کوئی چار ماہ قبل دسمبر 1937 میں ہوئی۔انہوں نے علامہ سے کہا،سنا ہے جناب

کو دربار نبوی سے بلاوا آیا ہے؟ علامہ آبدیدہ ہو گئے۔ آواز بھرا گئی۔ بولے ہاں! بے شک لیکن جانا نہ جانا یکساں ہے، آنکھوں میں موتیا اتر آیا ہے، یار کے دیدار کا لطف دیدۂ طلبگار کے بغیر کہاں۔ عطائی نے کہا جانا ہو تو دربار نبوی میں وہ رباعی ضرور پیش فرمایئے گا۔ جواب میری ہے۔ علامہ زار وقطار رونے لگے۔ سنبھلے تو کہا عطائی! اس رباعی کو بہت پڑھا کرو۔ ممکن ہے خداوند کریم مجھے اسکے طفیل بخش دے۔

21 اپریل 1938 کو علامہ انتقال فرما گئے۔ عرصہ بعد شاہی مسجد کے احاطے میں ان کے مزار کی تعمیر شروع ہوئی تو ہر ہفتے اور اتوار کو ایک مجذوب شخص لاٹھی تھامے مسجد کی سیڑھیوں پر آ بیٹھتا اور شام تک موجود رہتا۔ وہ زیر تعمیر مزار پہ نظریں گاڑے ٹک ٹک دیکھتا رہتا۔ کبھی یکا یک آہ وزاری شروع کر دیتا۔ کبھی طواف کے انداز میں مزار کے چکر کاٹنے لگتا۔ اس کا نام محمد رمضان عطائی تھا۔

مولانا محمد ابراہیم ناگی کبھی کبھی کہا کرتے ظالم عطائی! کان کنی تو میں نے کی اور گوہر تو اڑا لے گیا۔ بخدا اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ حضرت غریب نواز (علامہ اقبال) اتنی فیاضی کریں گے تو میں اپنی تمام جائیداد دے کر یہ رباعی حاصل کر لیتا اور مرتے وقت اپنی پیشانی پر لکھوا جاتا۔

محمد رمضان عطائی، سینئر انگلش ٹیچر 1968 میں اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ انہوں نے اپنی وصیت میں لکھا۔ میرے مرنے پر اگر کوئی وارث موجود ہو تو رباعی مذکور میرے ماتھے پہ لکھ دینا اور میرے چہرے کو سیاہ کر دینا۔ مجھے معلوم نہیں کہ پس مرگ ان کے کسی وارث نے اس عاشق رسول کی پیشانی پہ وہ رباعی لکھی یا نہیں لیکن ڈیرہ غازی خان کے قدیم قبرستان ملا قائد شاہ میں کوئی بیالیس برس پرانی ایک قبر کے سرہانے نصب لوح مزار پر کندہ ہے۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
گر حسابم را تو بینی ناگزیر
از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

منتخبات

نہ تو زمین کے لئے ہے نہ آسماں کے لئے (نظم)

حکیم الامت علامہ اقبالؒ

نہ تو زمین کے لئے ہے نہ آسماں کے لئے
جہاں ہے تیرے لیے، تُو نہیں جہاں کے لیے
یہ عقل و دِل ہیں شرر شعلۂ محبت کے لئے
وہ خار وخس کے لئے ہے، یہ نیستاں کے لئے
مقامِ پرورش آہ و نالہ ہے یہ چمن
نہ سیرِ گُل کے لیے ہے نہ آشیاں کے لئے
رہے گا روای و نیل و فرات میں کب تک؟
تِرا سفینہ کہ ہے بحرِ بیکراں کے لئے
نشانِ راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے ہیں کِسی مردِ راہ داں کے لیے!
نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پُرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے
ذرا سی بات تھی، اندیشۂ عجم نے اسے
بڑھا دیا ہے فقط زیبِ داستاں کے لئے
مرے گلو میں ہے اِک نغمہ نغمہ جبرائیل آشوب
سنبھال کر جسے رکھا ہے لامکاں کے لیے

قطعات

حکیم الامت علامہ اقبالؒ

تیرا جوہر ہے نوری، پاک ہے تُو
فروغِ دیدۂ افلاک ہے تُو
تِرے صیدِ زبوں اَفرشتہ و حُور
کہ شاہینِ شہِ لولاک ہے تُو

☆☆☆

نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری
رہا صوفی گئی روشن ضمیری
خدا سے پھر وہی قلب و نظر مانگ
نہیں ممکن امیری بے فقیری!

☆☆☆

خودی کی جَلوتوں میں مصطفائیؐ
خودی کی خَلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و کرسی و عرش
خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

☆☆☆

نِگہ اُلجھی ہوئی ہے رنگ و بُو میں
خِرد کھوئی گئی ہے چار سُو میں
نہ چھوڑ اے دِل فغانِ صبحگاہی
اماں شاید ملے اللہ ھُو میں!

جمالِ عشق و مَستی نَے نوازی
جلالِ عشق و مَستی بے نیازی
کمالِ عشق و مَستی ظرفِ حیدرؓ
زوالِ عشق و مَستی حرفِ رازی



وہ میرا رونقِ مِحفل کہاں ہے؟
میری بجلی مِرا حاصل کہاں ہے؟
مقام اُس کا ہے دل کی خلوتوں میں
خدا جانے مقامِ دل کہاں ہے



رباعیاتِ اقبالؒ

دلوں کو مرکزِ مہر وفا کر
حریمِ کبرِیا سے آشنا کر
جسے نانِ جوَین بخشی ہے تُو نے
اُسے بازُوئے حیدرؓ بھی عطا کر



کرم تیرا ہے بے جوہر نہیں میں
غلامِ طغرل و سنجر نہیں میں
جہاں بینی میری فطرت ہے لیکن
کسی جمشید کا ساغر نہیں میں



نظم

علامہ اقبالؒ

تو ابھی راہ گزر میں ہے، قیدِ مقام سے گزر
مصر و حجاز سے گزر، پارس و شام سے گزر
جس کا عمل ہے بے غرض، اس کی جزا کچھ اور ہے
حُور و خیام سے گزر بادۂ و جام سے گزر
گرچہ ہے دلکشا بہت حسنِ فرنگ کی بہار
طائرکِ بلند بال، دانہ و دام سے گزر
کوہ شگاف تیری ضرب، تجھ سے کشا د شرق و غرب
تیغِ ہلال کی طرح عیشِ نیام سے گزر
تیرا امام بے حضور، تیری نماز بے سرور
ایسی نماز سے گزر، ایسے امام سے گزر

..................☆☆☆..................

بیادِ عاشورہ محرم

افتخار عارف

کربلا کی خاک پر کیا آدمی سجدے میں ہے
موت رسوا ہوچکی ہے زندگی سجدے میں ہے

''وہ جو اک سجدہ علیؓ کا بچ رہا تھا وقت فجر''
فاطمہؓ کا لال شاید اب اسی سجدے میں ہے

سنتِ پیغمبرِ خاتم ہے سجدے کا یہ طول
کل نبیؐ سجدے میں تھا آج اِک ولی سجدے میں ہے

وہ جو عاشورہ کی شب گُل ہوگیا تھا اِک چراغ
اب قیامت تک اسی کی روشنی سجدے میں ہے

حشر تک جس کی قسم کھاتے رہیں گے اہل حق
ایک نفسِ مطمئن اس دائمی سجدے میں ہے

نوکِ نیزہ پر بھی ہونی ہے تلاوت بعدِ عَصر
مصحفِ ناطق تہِ خنجر ابھی سجدے میں ہے

اس پر حیرت کیا لرز اٹھی زمین کربلا
راکبِ دوشِ پیمبرؐ آخری سجدے میں ہے

..................☆☆☆..................

نظم

افتخار عارف

یا سرِیع الرَّضَا اِغفر لِمن لَّا یملِک الّا الدُ ع۔

اے جلدی راضی ہوجانے والے (میرے معبود) مجھے بخش دے، میرے پاس کوئی پونجی نہیں، بغیر دعا کے۔ (امام علیؑ)

یہ دنیا اک سُور کے گوشت کی ہڈی کی صورت کوڑھیوں کے ہاتھ میں ہے

اور میں نان و نمک کی جستجو میں دربدر،

قَریہ بہ قَریہ مارا مارا پھر رہا ہوں

ذرا سی دیر کی جھوٹی فضیلت کے لیے ٹھوکر پہ ٹھوکر کھا رہا ہوں۔

ہر قدم پر منزلِ عز و شرف سے ،گر رہا ہوں

اور میری انگشتری پر یا علیؑ لکھا ہوا ہے۔

مگر انگشتری پر یا علی کندہ کرانے سے کیا ہوگا؟

کہ دل تو مرحبوں کی دسترس میں ہے

(عجب عالم ہے۔ آنکھیں دیکھتی ہیں اور دل سینوں میں اندھے ہو چکے ہیں)

کبھی سلمان...... آتے ہیں۔

کبھی بُو ذرؓ، کبھی میثمؒ، کبھی قنبرؓ میری ڈھارس بندھاتے ہیں کمیلؓ آتے ہیں، کہتے ہیں پکارو افتخار عارف پکارو

اپنے مولا کو پکارو، اپنے مولا کے وسیلے سے پکارو

اُجیبُ دَعوَۃ الدّاع کا دعویٰ کرنے والے کو پکارو

یہ مشکل بھی کوئی مشکل ہے؟ دل چھوٹا نہیں کرتے

کریم اپنے غلاموں کو کبھی تنہا نہیں کرتے،

کبھی رُسوا نہیں کرتے ....

نذرانۂ عقیدت

ناصر علی سید

صداقتوں کے سفر کی یہی کہانی ہے
جبینِ وقت پر ہر نقش جاودانی ہے

سیاہ رُو کوئی ٹھہرا ہے، سَرخَرو کوئی
یہ معرکہ تو ازل ہی سے امتحانی ہے

وہ جانتے تھے بھلا کیسے کرتے سمجھوتہ
قبول و رَد میں کہاں بات درمیانی ہے

وہ ایک شام کہ ڈُھل کر لہو سے نکھِری تھی
اِسی کی آج بھی دنیا پہ سائبانی ہے

جو ایک لمحہ کو کانٹا بنی زبانِ امامؑ
تو بستیوں میں ابھی تک بھٹکتا پانی ہے

راہِ وفا و صداقت میں تب سے آج تلک
ہر ایک ذرے کے لب پر وہی کہانی ہے

وہ جس نے ہونے کے انساں کو اعتبار دیا
میرے لہو میں اسی نام سے روانی ہے

کبھی جو وقت کے ظلم و ستم سے گھبراؤ
علم اٹھاؤ؛ یہی معتبر نشانی ہے

نظم

احمد ندیم قاسمی

خدا کرے کہ میری ارضِ پاک پر اترے
وہ فصلِ گل جسے اندیشۂ زوال نہ ہو

یہاں جو پھول کھلے وہ کھلا رہے برسوں
یہاں خزاں کو گزرنے کی بھی مجال نہ ہو

یہاں جو سبزہ اُگے وہ ہمیشہ سبز رہے
اور ایسا سبز کہ جس کی کوئی مثال نہ ہو

گھنی گھٹائیں یہاں ایسی بارشیں برسائیں
کہ پتھروں سے بھی روئیدگی محال نہ ہو

خدا کرے کہ وقار اس کا غیر فانی ہو
اور اس کے حُسن کو تشویشِ ماہ و سال نہ ہو

ہر ایک فرد ہو تہذیب و فن کا اوجِ کمال
کوئی ملول نہ ہو کوئی خستہ حال نہ ہو

خدا کرے کہ مری عرضِ پاک پر اترے

نظم

فیض احمد فیضؔ

بول کہ لب آزاد ہیں تیرے
بول زباں اب تک تیری ہے

تیرا ستواں جسم ہے تیرا
بول کہ جاں اب تک تیری ہے

دیکھ کہ آہن گر کی دکاں میں
تند ہیں شعلے سرخ ہے آہن

کھلنے لگے قفلوں کے دہانے
پھیلا ہر اک زنجیر کا دامن

بول یہ تھوڑا وقت بہت ہے
جسم و زباں کی موت سے پہلے

بول کہ سچ زندہ ہے اب تک
بول جو کچھ کہنا ہے کہہ لے

غزلیات

غزل

اسداللہ خان غالبؔ

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

ترے وعدے پہ جیئے ہم، تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

تیری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بُودا
کبھی تو نہ توڑ سکتا، اگر استوار ہوتا

کوئی میرے دل سے پوچھے تیرے تیر نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا ، کوئی غم گسار ہوتا

رگِ سنگ سے ٹپکتا ''وہ لہو'' کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو، یہ اگر شرار ہوتا

غم اگر چہ جان گسل ہے ، پہ کہاں بچیں کہ دل ہے
غمِ عشق گرنہ ہوتا غمِ روزگار ہوتا

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے، شب غم بُری بلا ہے
مجھے کیا بُرا تھا مرنا؟ اگر ایک بار ہوتا

ہوئے مر کے ہم جو رُسوا، ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

یہ مسائل تصوف یہ تیرا بیان غالبؔ
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا



غزل

مومن خان مومن

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ جو لطف مجھ پہ تھے پیشتر، وہ کرم کہ تھا میرے حال پر
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ نئے گِلے وہ شکایتیں، وہ مزے مزے کی حکایتیں
وہ ہر ایک بات پہ روٹھنا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کبھی ہم میں تم بھی چاہ تھی، کبھی ہم میں تم بھی راہ تھی
کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

سنو ذکر ہے کئی سال کا کہ کیا آپ نے اک وعدہ تھا
سو نباہنے کا ذکر کیا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ بگڑنا وصل کی رات کا، وہ نہ ماننا کسی بات کا
وہ نہیں نہیں کی ہر آن ادا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

جسے آپ گنتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے با وفا
میں وہی ہوں مومن مبتلا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو



غزل

فیض احمد فیضؔ

دونوں جہاں تیری محبت میں ہا ر کے
وہ جا رہا ہے کو ئی شبِ غم گزار کے

ویراں ہے میکدہ ، جم و ساغر ادا س ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

اک فرصتِ گناہ ملی ، وہ بھی چار دن
دیکھے ہیں ہم نے حوصلے پروردگا ر کے

دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا
تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگا ر کے

بھولے سے مُسکرا تو دیئے تھے وہ آج فیضؔ
مت پوچھ ولولے دل نا کر دہ کار کے

غزل

پروین شاکر

زندگی بے سائباں، بے گھر کہیں ایسی نہ تھی
آسماں ایسا نہیں تھا اور زمیں ایسی نہ تھی

ہم بچھڑ نے سے ہوئے گمراہ ورنہ اس سے قبل
میرا دامن تر نہ تھا، تیری جبیں ایسی نہ تھی

اب جو بدلہ ہے تو اپنی روح تک حیران ہوں
تیری جانب سے میں شاید بے یقیں ایسی نہ تھی

بدگمانی جب نہ تھی،تو بھی نہیں تھا معترض
میں بھی تیری شخصیت پہ نکتہ چیں ایسی نہ تھی

کیا مرے دل اور کیا آنکھوں کا حصہ ہے مگر
چادرِ شب اس سے پہلے شبنمیں ایسی نہ تھی

کیا ہوا آئی کہ اتنے پھول دل میں کھل گئے
پچھلے موسم میں یہ شاخِ یاسمیں ایسی نہ تھی۔

غزل

پروین شاکر

بجا کہ آنکھ میں نیندوں کے سلسلے بھی نہیں

شکستِ خواب کے اب مجھ میں حوصلے بھی نہیں

نہیں نہیں ! یہ خبر دشمنوں نے دی ہوگی

وہ آئے ، آ کے چلے بھی گئے ، ملے بھی نہیں

یہ کون لوگ اندھیروں کی بات کرتے ہیں

ابھی تو چاند تیری یادوں کے ڈھلے بھی نہیں

ابھی سے میرے رفوگر کے ہاتھ تھکنے لگے

ابھی تو چاک میرے زخم کے سِلے بھی نہیں

خفا اگرچہ ہمیشہ ہوئے مگر اب کے

وہ برہمی ہے کہ ہم سے انہیں گلے بھی نہیں

غزل

محسن نقوی

میں نفرتوں کے جہاں میں رو کر جدا رہونگا تو کیا کروں گا
یہ ٹھیک کہتے ہو بے وفا ہوں، وفا کروں گا تو کیا کروں گا

بس ایک تو ہی تو رہ گیا ہے، جہاں سارا تو کھو چکا ہوں
تجھے بھی اپنی انا میں آ کر خفا کروں گا تو کیا کروں گا

ہزار سجدے تو کر چکا ہوں ، قضا تمہاری محبتوں میں
میں اب دکھاوے کا کوئی سجدہ، ادا کروں گا تو کیا کروں گا

بغیر پانی بھی کوئی مچھلی، بھلا کبھی رہ سکتی ہے زندہ
میں تجھ کو کھو کر کسی کا ہو کر، بتا کروں گا تو کیا کروں گا

غزل

محسن نقوی

قصے میری الفت کے جو مرقوم ہیں سارے
آ دیکھ تیرے نام سے موسوم ہیں سارے

بس اِس لئے ہر کام ادھورا ہی پڑا ہے
خادم بھی میری قوم کے مخدوم ہیں سارے

اب کون میرے پاؤں کی زنجیر کو کھولے
حاکم بھی میرے دیس کے محکوم ہیں سارے

یہ ظرف ہے میرا کہ میں خاموش ہوں اب تک
ورنہ تو تیرے عیب بھی معلوم ہیں سارے

سب جُرم میری ذات سے منسوب ہیں محسنؔ
کیا میرے سوا شہر میں معصوم ہیں سارے

غزل

ناصر کاظمی

زندگی بھر وفا ہمیں سے ہوئی
سچ ہے یارو خطا ہمیں سے ہوئی

دل نے ہر داغ کو رکھا محفوظ
یہ زمین خوشنما ہمیں سے ہوئی

ہم سے پہلے زمینِ شہرِ وفا
خاک تھی کیمیا ہمیں سے ہوئی

کون اٹھاتا شبِ فراق کے ناز
یہ بلا آشنا ہمیں سے ہوئی

بے غرض کون دل گنواتا ہے
تیر ی قیمت ادا ہم ہی سے ہوئی

ستمِ ناروا تجھی سے ہوا
تیرے حق میں دُعا ہمیں سے ہوئی

سعی تجدید دوستی ناصرؔ
آج کیا بارہا ہمیں سے ہوئی

غزل

عبدالحمید عدم

وہ جو تیرے فقیر ہوتے ہیں
آدمی بے نظیر ہوتے ہیں

تیری محفل میں بیٹھنے والے
کتنے روشن ضمیر ہوتے ہیں

پھول دامن میں چند رکھ لیجئے
راستے میں فقیر ہوتے ہیں

زندگی کے حسین ترکش میں
کتنے بے رحم تیر ہوتے ہیں

وہ پرندے جو آنکھ رکھتے ہیں
سب سے پہلے اسیر ہوتے ہیں

دیکھنے والا اک نہیں ملتا
آنکھ والے کثیر ہوتے ہیں

جن کو دولت حقیر لگتی ہے
اُف وہ کتنے امیر ہوتے ہیں

جن کو قدرت نے حُسن بخشا ہو
قدرتاً کچھ شریر ہوتے ہیں

ہے خوشی بھی عجیب شے لیکن
غم بڑے دلپذیر ہوتے ہیں

اے عدمؔ احتیاط لوگوں سے
لوگ منکِر نکیر ہوتے ہیں



غزل

جون ایلیا

کبھی جب مدتوں کے بعد اس کا سامنا ہوگا
سوائے پاسِ آداب تکلف اور کیا ہوگا

یہاں وہ کون ہے جو انتخابِ غم پر قادر ہو
جو مل جائے وہی غم دوستوں کا مدعا ہوگا

صلیب وقت پر میں نے پکارا تھا محبت کو
میری آواز جس نے بھی سنی ہوگی، ہنسا ہوگا

ہمارے شوق کے آسودہ و خوشحال ہونے تک
تمہارے عارض و گیسو کا سودا ہوچکا ہوگا

ہنسی آتی ہے مجھ کو مصلحت کے ان تقاضوں پر
کہ اب اک اجنبی بن کر اسے پہچاننا ہوگا

دلیلوں سے دوا کا کام لینا سخت مشکل ہے
مگر اس غم کی خاطر یہ ہنر بھی سیکھنا ہوگا

ہے نصف شب اور وہ دیوانہ، ابھی تک گھر نہیں آیا
کسی سے چاندنی راتوں کا قصہ چھڑ گیا ہوگا

صبا! شکوہ ہے مجھ کو ان دریچوں سے دریچوں سے؟
دریچوں میں تو دیمک کے سوا اب اور کیا ہوگا

غزل

حبیب جالبؔ

اور سب بھول گئے حرفِ صداقت لکھنا
رہ گیا کام ہمارا ہی بغاوت لکھنا

لاکھ کہتے رہے ظلمت کو نہ ظلمت لکھنا
ہم نے سیکھا ہی نہیں پیارے بہ اجازت لکھنا

نہ صلہ کی، نہ ستائش کی تمنا ہم کو
حق میں لوگو ں کی ہماری تو ہے عادت لکھنا

ہم نے جو بھول کے بھی شاہ کا قصیدہ نہ لکھا
شاید آیا اسی خوبی کی بدولت لکھنا

اس سے بڑھ کر میری تحسین بھلا کیا ہو گی
پڑھ کے ناخوش ہے میرا صاحبِ ثروت لکھنا

دَہر کے غم سے ہوا ربط تو ہم بھول گئے
سَرو قامت کی جوانی کو قیامت لکھنا

کچھ بھی کہتے ہیں کہیں، شاہ کے مصاحب جالبؔ
رنگ رکھنا یہی اپنا، اِسی صورت لکھنا

غزل

قتیل شفائی

دور تک چھائے تھے بادل اور کہیں سایہ نہ تھا
اس طرح برسات کا موسم کبھی آیا نہ تھا

کیا مِلا آخر تجھے سایوں کے پیچھے بھاگ کر
اے دلِ ناداں تجھے کیا ہم نے سمجھایا نہ تھا

اُف یہ سناٹا کہ آہٹ تک نہ ہو جِس میں مخِل
زندگی میں اس قدر ہم نے سکوں پایا نہ تھا

خوب روئے چھپ کے گھر کی چار دیواری میں ہم
حالِ دل کہنے کے قابل کوئی ہمسایہ نہ تھا

ہو گئے قلاش جب سے اُس کی دولت لُٹی
پاس اپنے اور تو کوئی بھی سرمایہ نہ تھا

وہ پیمبر ہو کہ عاشق، قتل گاہِ شوق میں
تاج کانٹوں کا کِسے دنیا نے پہنایا نہ تھا

صرف خوشبو کی کمی تھی غور کے قابل قتیلؔ
ورنہ گلشن میں کوئی بھی پھول مرجھایا نہ تھا

غزل

عامرامیر

اگر یہ کہہ دو بغیر تمہارے،نہیں گزارا، تو میں تمہارا
یا اس پہ مبنی کوئی تاثر، کوئی اشارہ،تو میں تمہارا

غرور پرور، انا کا مالک، کچھ اس طرح کے نام میرے
مگر قسم ہے جو تم نے اِک نام بھی پکارا، تو میں تمہارا

تم اپنی شرطوں پہ کھیل کھیلو، میں جیسے چاہوں لگاؤں بازی
اگر میں جیتا تو تم میرے، اگر میں ہارا تو میں تمہارا

تمہارا عاشق، تمہارا مخلص، تمہارا ساتھی، تمہارا اپنا
رہا نہ ان میں سے کوئی دنیا میں جب تمہارا، تو میں تمہارا

تمہارا ہونے کے فیصلے کو میں اپنی قسمت پہ چھوڑتا ہوں
اگر مقدر کا کوئی ٹوٹا، کبھی ستارہ، تو میں تمہارا

یہ کِس پہ تعویذ کر رہے ہو؟ یہ کس کو پانے کے ہیں وظیفے؟
تمام چھوڑو، بس ایک کر لو، جو استخارہ،تو میں تمہارا

غزل

یوسف عزیز

ملاوٹ کا اُدھر دھندا جو پہلے تھا وہ اب بھی ہے
ضوابط کا اِدھر پھندا جو پہلے تھا وہ اب بھی ہے

اگرچہ ہر محلے میں ہے مسجد قائم و دائم
مگر تعمیر کا چندہ جو پہلے تھا وہ اب بھی ہے

مہذب ساری دنیا ہو گئی تعلیمِ طفلاں سے
یہاں استاد کا ڈنڈا جو پہلے تھا وہ اب بھی ہے

تمنا کار کوٹھی ہو تو کر خدمت سمگلر کی
بڑا یہ کارگر بندہ جو پہلے تھا وہ اب بھی ہے

وصال و قرب کا وعدہ ، دلایا یاد تو بولے
خیال اِس کا پراگندہ جو پہلے تھا وہ اب بھی ہے

اڑاتے پھر رہے ہیں گلچھڑے ہر سو نظر والے
چوراہے میں کھڑا اندھا جو پہلے تھا وہ اب بھی ہے

ضمیر جعفری کی طویل نظم کا مختصر انتخاب

سید ضمیر جعفری

سیاست کا ہر پہلوان لڑ رہا ہے
یہاں لڑ رہا ہے وہاں لڑ رہا ہے
بیاں کے مقابل بیاں لڑ رہا ہے
حسابِ دل دوستاں لڑ رہا ہے
ستارہ نظر مہَ جبیں لڑ رہے ہیں
یہ حد ہے کہ پردہ نشین لڑ رہے ہیں
مزاجوں میں یوں لیڈری آ گئی ہے
کہ گھر گھر کی اپنی الگ پارٹی ہے
کوئی شیر ہے تو کوئی لومڑی ہے
یہی اپنی لے دے کے انڈسٹر ی ہے
نہ منزل نہ جادہ نہ کوئی ارادہ
رضا کار کامیاب لیڈر زیادہ
اگر گھر میں ہیں خیر سے چار بھائی
تو ایک ایک نے ڈفلی الگ ہے اٹھائی
بچھی ہے سیاست کی تپلی چٹائی
بہ ہر تخت پوش و بہ ہر چارپائی
سلیٹی کوئی، تو تپائی ہے کوئی
کوئی سرخ ہے فاختائی ہے کوئی
جلوس اور جلسے پہ تکرار ان میں

فساد و فتن کے نمک خوار ان میں
بپا مستقل جوت وبیزار ان میں
یونہی چلتی رہتی تو تلوار ان میں
جو زندہ ہے مہینہ تو مردہ مہینہ
یہ کیا زندگی ہے نہ مرنا نہ جینا؟
ملوں، پرمٹوں، کارخانوں کے جھگڑے
سیاست کے نودولتانوں کے جھگڑے
زبانوں، بیانوں، ترانوں کے جھگڑے
فسانوں پہ ہم داستانوں کے جھگڑے
سر خوان لقمہ اٹھانے پر جھگڑا
وہ جھگڑا کے ہر دانے دانے پہ جھگڑا
حقائق کے آثار دھند لانے والے
جرائد میں شہ سرخیاں پانے والے
یہ ہر قول دے کے مکر جانے والے
یہ ''ہرمیزکرسی'' پہ مر جانے والے
بیابان کو صحن چمن جانتے ہیں
قیادت کو خوراکِ تن جانتے ہیں
مکیں گم شدہ ہیں، مکاں لڑ رہے ہیں
زمیں چپ مگر آسماں لڑرہے ہیں

فن کاروں کے نام

احمد فراز

تم نے دھرتی کے ماتھے پہ افشاں چُنی
خود اندھیری فضاؤں میں پلتے رہے
تم نے دنیا کے خوابوں کی جنت بنُی
خود فلاکت کے دوزخ میں جلتے رہے

تم نے انسان کے دل کی دھڑکن سنی
اور خود عمر بھر خون اگلتے رہے
جنگ کی آگ دنیا میں جب بھی جلی
امن کی لوریاں تم سناتے رہے
جب بھی تخریب کی تند آندھی چلی
روشنی کے نشاں تم دکھاتے رہے

کاخ و دربار سے کوچۂ دار تک
کل جو تھے آج بھی ہیں وہی سلسلے
جیتے جی تو نہ پائی چمن کی مہک
موت کے بعد پھولوں کے مرقد ملے
اے مسیحاؤ! یہ خود کشی کب تلک
ہیں زمیں سے فلک تک بڑے فاصلے

بہت دل چاہتا ہے (نظم)

پروین شاکر

بہت دل چاہتا ہے
کسی دن غاصبوں کے نام لکھوں ایک کھلا خط
لکھوں اس میں
کہ تم نے چور دروازے سے آکر
میرے گھر کا تقدس
جس طرح پامال کر کے
توشہ خانہ کو تصرف میں لیا ہے
تمہاری تربیت میں، یہ رویّہ
دشمنوں کے ساتھ بھی زیبا نہیں تھا!
کلامِ فتح میں بھی
یہ سُخن شامل نہیں تھا
یہاں تک بھی غنیمت تھا
تمہارے پیش رو بخت آزمائی میں
زر و سیم و جواہر تک نظر محدود رکھتے تھے
جوانوں کو تہہ تلوار کرتے
مگر ماؤں کی چادر
بیٹیوں کی مسکراہٹ
اور بچوں کے کھلونوں سے

تعرُض کچھ نہ کرتے
مگر تم نے تو حد کر دی
نہ بیت المال ہی چھوڑا
نہ بیوہ کی جمع پونجی
اور اب تم نے
ہماری سوچ کو بھی
راجدھانی کا کوئی حصہ بنانے کا ارادہ کر لیا ہے
ہمارے خواب کی عصمت پہ نظریں ہیں!
قلم کا چھیننا
آساں نہیں ہے!
یہ درویشوں کی بستی ہے
دبے پاؤں بھی یہاں آنے کی جرأت نہیں کرنا
کرائے پر
قصیدہ خواں اگر کچھ مل بھی جائیں تو
قبیلے کے کسی سردار کی بیعت نہیں ملنی
ہمارے آخری ساتھی کی تکمیلِ شہادت تک
تمہیں نصرت نہیں ملنی!

نظم

عامر امیر

چَل آ اِک ایسی نظم کہوں............جو لفظ کہوں وہ ہو جائے

بس ''اشک'' کہوں تو............اِک آنسو ترے گورے گال کو دھو جائے

مَیں ''آ'' لکھوں............تُو آ جائے،

میں ''بیٹھ'' لکھوں............تُو آ بیٹھے

مرے شانے پر سر رکھے تو مَیں ''نیند'' کہوں............تُو سو جائے

میں کاغذ پر ''ترے ہونٹ'' لکھوں............ترے ہونٹوں پر مُسکان آئے

میں ''دِل'' لکھوں............تُو دِل تھامے،

میں ''گُم'' لکھوں............دل کھو جائے

ترے ہاتھ بناؤں پینسِل سے، پھر ہاتھ پہ تیرے ہاتھ رکھوں

کُچھ ''اُلٹا سِیدھا'' فرض کروں............کُچھ ''سِیدھا اُلٹا'' ہو جائے

میں ''آہ'' لِکھوں............تُو ''ہائے'' کرے،

''بے چین'' لکھوں............بے چین ہو تُو

پھر میں بے چین کا ''بے'' کاٹوں............تُجھے چین ذرا سا ہو جائے

ابھی ''ع'' لکھوں............تُو سوچے مجھے،

پھر ''ش'' لکھوں............تری نیند اُڑے

جب ''ق'' لکھوں............تُجھے کُچھ کُچھ ہو

مَیں ''عِشق'' لِکھوں............تُجھے ہو جائے

نظم

ساحرلدھیانوی

تاج تیرے لیے اک مظہر الفت ہی سہی
تجھ کو اس وادئ رنگیں سے عقیدت ہی سہی
میری محبوب کہیں اور ملا کر مجھ سے
بزم شاہی میں غریبوں کا گزر کیا معنی
ثبت جس راہ میں ہوں سطوتِ شاہی کے نشاں
اس پہ الفت بھری روحوں کا سفر کیا معنی
میری محبوب پس پردہ تشہیر وفا
تو نے سطوت کے نشانوں کو تو دیکھا ہوتا
مردہ شاہوں کے مقابر سے بہلنے والی
اپنے تاریک مکانوں کو تو دیکھا ہوتا
ان گنت لوگوں نے دنیا میں محبت کی ہے
کون کہتا ہے کہ صادق نہ تھے جذبے ان کے
لیکن ان کے لیے تشہیر کا سامان نہیں
کیونکہ وہ لوگ بھی اپنی ہی طرح مفلس تھے
یہ عمارات و مقابر یہ فصیلیں یہ حصار
مطلق الحکم شہنشاہوں کی عظمت کے ستوں
سینۂ دہر کے ناسور ہیں کہنہ ناسور
جذب ہے ان میں ترے اور مرے اجداد کا خوں



میری محبوب انہیں بھی تو محبت ہوگی
جن کی صناعی نے بخشی ہے اسے شکل جمیل

ان کے پیاروں کے مقابر رہے بے نام و نمود
آج تک ان پہ جلائی نہ کسی نے قندیل

یہ چمن زار، یہ جمنا کا کنارہ، یہ محل
یہ منقش در و دیوار یہ محراب یہ طاق

اک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر
ہم غریبوں کی محبت کا اڑایا ہے مذاق

میری محبوب کہیں اور ملا کر مجھ سے

مزاحیات

نظم

انور مسعود

اگلے دن کچھ ایسے ہوں گے

چھلکے پھلوں سے مہنگے ہوں گے

ننھی ننھی چیونٹیوں کے بھی

ہاتھی جیسے سائے ہو ں گے

بھیڑ تو ہوگی لیکن پھر بھی

سُو نے سُو نے رستے ہوں گے

پھول کھلیں گے تنہا تنہا

جُھر مٹ جُھر مٹ کانٹے ہوں گے

لوگ اسے بھگوان کہیں گے

جس کی جیب میں پیسے ہوں گے

ریت جلے گی لُو میں انورؔ

برف پہ بادل چھائے ہوں گے

مزاحیات

غزل

انور مسعود

مرد ہونی چاہیے خاتون ہونا چاہیے
اب گریمر کا یہی قانون ہونا چاہیے

نرسری کا داخلہ بھی سرسری مت جانیئے
آپ کے بچے کو افلاطون ہونا چاہیے

رات کو بچے پڑھائی کی اذیت سے بچے
ان کو ٹی وی کا بہت ممنون ہونا چاہیے

دوستو! انگلش ضروری ہے ہمارے واسطے
فیل ہونے کو بھی اک مضمون ہونا چاہیے

صرف محنت کیا ہے انورؔ کامیابی کے لیے
کوئی اوپر سے بھی ٹیلی فون ہونا چاہیے

لذتِ ہفت زبان

فارسی کلام

(علامہ اقبال۔اسرارِ خودی)

درشرح اسرارِ اسمائے علیِ مرتضیٰؓ

(حضرت علیؓ کے اسما کے بھیدوں کی تشریح)

مُسلمِ اول شہِ مرداں علیؑ
عشق را سرمایۂ ایماں علیؑ

حضرت علیؑ کہ (ایمان لانے والوں میں سب سے اوّل اور دلیروں کے سردار ہیں، حضرت علیؑ کی ذات عشق کے لئے ایمان کا سرمایہ تھی)۔

از وِ لائے دُودمانش زندہ ام
در جہاں مثلِ گُہرُ تابندہ ام

میں (اقبال) آپ کے خانداں مبارک کی محبت کی وجہ سے زندہ ہوں اور اِسی خاندان کی برکت کی وجہ سے میں دنیا میں موتی کی طرح چمک رہا ہوں۔

نرگسم، وارَفتۂ نظارہ ام
در خیابانش چُو بُو آوارہ ام

میں نرگس ہوں یعنی سراپا آنکھ ہوں اور نظارے میں کھویا ہوا ہوںّ (نظارے کے لئے بے خود ہوں) میں آپ کے چمن میں خوشبو کی طرح اِدھر اُدھر پھرتا ہوں۔

زم زم ار جو شد زخاکِ مَن ازوست
مے اگر ریز دز تاکِ مَن اَزُوست

اگر میری خاک سے زم زم کا چشمہ پھوٹتا ہے تو یہ آپ ہی سے محبت اور برکت کے سبب ہے۔شراب ٹپک رہی ہے تو یہ بھی اسی باعث ہے۔

خاکم و از مہرِ اُو آئینہ ام
می تواں دیدن نوا در سینہ ام

میں خاک ہوں اور حضرت علیؑ سے سے محبت کے نتیجے میں آئینہ صفت ہو گیا ہوں چنانچہ میرے سینے میں آواز کو دیکھا جا سکتا ہے۔

از رُخِ او فال پیغمبر ﷺ گرفت
ملتِ حق از شکوہش فر گرفت

آپؓ کے مبارک چہرے سے حضور نبی کریم ﷺ نے اچھا شگون لیا، ملتِ اسلامیہ کو آپ کے شکوہ و دبدبہ کے نتیجے میں شان و شوکت ملی۔

قوتِ دینِ مبیں فرمودہ اش
کائنات آئیں پزیر از دُودہ اش

آپ کے فرمان، روشن دین (اسلام) کے لئے قوت کا باعث ہیں، دنیا کو انہی کے خاندان سے آئین، قانون اور دستور ملا۔

مرسلِ حق کرد نامش بُو تراب
حق ید اللہ خواند دَر اُمُ الکتاب

اللہ کے پیغمبر ﷺ نے آپ کو بُو تراب کا نام (لقب) دیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں آپ کو **یداللہ** (اللہ کا ہاتھ) قرار دیا ہے۔

ہر کہ دانائے رموزِ زند گیست
سرِ اسمائے علیؑ داند کہ چیست

جو کوئی بھی زندگی کے بھید جانتا ہے اُسے علم ہے کہ حضرت علیؑ کے اسما و القاب کا راستہ کیا ہے۔

خاکِ تاریکے کہ نامِ اُو تن است
عقل از بیدادِ اُو در شیون است

وہ سیاہ خاک جسے بدن کہا جاتا ہے اور عقل جس کے ظلم سے نالاں ہے (آہ و فریاد کر رہی ہے)

فکر گردوں رَس زمیں پیما از اُو
چشم کور و گوش ناشنوا از اُو

آسمانوں کی سی بلندی کا حامل فکر اس کے ہاتھوں پستی کا شکار رہتا ہے اور دیکھنے والی آنکھ اُس کے سبب اندھی ہے اور کان بہرے ہیں۔

از ہَوس تیغِ دو رو دارد بدست
رہروان را دل بَریں رَہزن شکست

جس کے ہاتھ میں حِرص و ہوس کی دو دھاری تلوار ہے اور اللہ کی راہ میں چلنے والے (سالکوں) کے دِل اس سے خوفزدہ ہیں۔

شیرِ حق ایں خاک را تسخیر کرد
ایں گُلِ تاریک را اکسیر کرد

اللہ کے شیر (اسداللہ، حیدر کرار) نے اس خاک (بدن) پر قابو پا لیا۔ آپ نے اس سیاہ خاک کو جو بالکل تاریک تھی اکسیر یعنی کیمیا میں بدل دیا۔

مرتضےٰ کز تیغِ او حق روشن است
بُو تراب از فتحِ اقلیمِ تن است

مرتضےٰ جن کی تلوار سے حق روشن ہے، جو بُو تراب بنے یا کہلائے ہیں تو یہ جسم کی ولایت (مملکت) کو فتح کرنے کے نتیجے میں ہے۔

مرد کشوِر گیر از کراری است
گوہرش را آبرو خودداری است

ترجمہ: دلیر اور شجاع آدمی کرار (حضرت علیؓ کا لقب ہے) جس کے معنی بڑھ چڑھ کر دشمن پر حملے کرنے والا) کراری کی بنا پر فاتح ملک بنتا ہے۔ اس کے گوہر کی آب وتاب خودداری کے سبب ہے۔

ہر کہ در آفاق گردد بُو تراب
باز گرد اندز مغرب افتاب

اس کائنات میں جو بھی بُو تراب بنتا ہے یعنی اپنے جسم اور ہوا و ہوس پر قابو پا لیتا ہے۔ اُسی کو یہ قوت میسر آتی ہے کہ وہ سورج کو مغرب سے لوٹا سکتا ہے (یہ اُس واقع کی طرف اشارہ ہے جس میں صہبا خیبر کے مقام پر آنحضورﷺ حضرت علیؓ کے زانو پر سر رکھ کر سو رہے تھے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جاگے تو سورج آخری نکتے پر تھا۔ حضرت علیؓ نے بتایا کہ وہ اس وجہ سے نماز نہیں پڑھ سکے کہ آپ کی نیند اور آرام میں خلل نہ ہو اس پر حضورﷺ نے دعا کی یا الٰہی یہ تیرے رسولﷺ کی فرمانبرداری میں مصروف تھا اس لئے آفتاب کو لوٹا دے۔ روایت ہے کہ ڈوبا ہوا سورج پھر پہاڑ پر کھڑا ہو گیا اور حضرت علیؓ نے نماز ادا کی۔

ہر کہ زین بر مرکب تن تنگ بست
چوں نگیں بر خاتم دولت نشست

جس کسی نے بھی تن کی سواری پر کَس کر زین باندھی اُسی کو یہ مرتبہ مِلا کہ وہ حکومت کی مہر میں نگینے کی طرح بیٹھ گیا۔ یعنی سلطنت کا مالک بن گیا۔



زیر پاش اینجا شکوہِ خیبر است
دست اُو آنجا قسیمِ کوثر است

اس دنیا میں تو خیبر جیسے باشکوہ قلعے کی شان وشوکت اس کے پاؤں کے نیچے ہوتی ہے اور دوسری دنیا (آخرت میں قیامت کے روز حضور کے فرمان پر حضرت علیؑ حوضِ کوثر کا پانی تقسیم کریں گے۔ اس لئے ان کو ساقی کوثر بھی کہا جاتا ہے۔

از خود آگاہی یدا لٰہی کُند
از یدا لٰہی شہنشاہی کند

وہ اپنی ذات سے بخوبی واقف ہونے کے نتیجے میں اللہ کا ہاتھ بن جاتا ہے (یداللہ بھی حضرت علیؑ کا لقب ہے پھر اسی الوہی ہاتھ کے ساتھ وہ کائنات پر حکمرانی کرنے لگ جاتا ہے۔

ذات اُو دروازہ شہر علوم
زیر فرمانش حجاز و چین و رُوم

اس کی ذات شہر علم کا دروازہ ہے اور حجاز، چین و رُوم یعنی ساری دنیا اس کے زیر فرمان آجاتی ہے (بحوالہ مشہور حدیث ''میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ ہے'')

حکمراں باید شدن بر خاکِ خویش
تا مئے روشن خوری از تاکِ خویش

اپنی خاک (بدن) پر حکومت چلانے والا (حکمران) بننا چاہے تا کہ تُو اپنی تاک (انگور کی بیل) سے مصفا اور روشن شراب حاصل کرسکے۔ (اقبال ایک مردِ کامل (حضرت علیؑ) کی مثال دے کر لوگوں کو محنت کر کے نفس پر قابو پا کر اور فقط اللہ تعالی کو مقصود بنا کر ایک کامیاب انسان بننے کی تلقین کر رہے ہیں)

خاک گشتن مذہبِ پروانگی است
خاک را اب شو کہ ایں مردانگی است

جل کر راکھ ہو جانا پروانے کا شیوہ ہے۔ تو مٹی کا باپ (بُوتراب) بن جا (اِسے فتح کر اور قابو پا) کہ یہی شجاعت اور دلیری ہے۔

سنگ شو اے ہمچو گل نازک بدن
تا شوی بنیاد دیوارِ چمن

تیرا بدن پھول کی طرح نرم و نازک ہے۔ پتھر بن جا (سخت جان ہو جا) تا کہ تُو چمن کی دیوار کی بنیاد بن جائے۔

از گِلِ اُو خود آدمے تعمیر کُن
آدمے را عالمے تعمیر کُن

اپنی مٹی (گارے) سے ایک صاحبِ عمل آدمی کی تعمیر کر (نیا آدم پیدا کر) ایسے آدم کے لیے ایک عالمِ نو تعمیر کر (نئے جہاں کی بنیاد رکھ)

گر بنا سازی نہ دیوار و درے
خشت از خاکِ تُو بندد دیگرے

اگر تُو خود کوئی دیوار اور دروازہ نہیں بنائے گا تو کوئی دوسرا آ کر تیری بیکار پڑی مٹی سے اپنی تعمیر کے لیے اینٹیں بنا لے گا۔

اے ز جورِ چرخ ناہنجار تنگ
جامِ تُو فریادیِ بیداد سنگ

اے (اس دور کے مخاطب انسان) بیشک تُو جو اس بے اصولے آسمان (دنیا) کے جور و ستم سے تنگ ہے، تیرا جام (پیالہ) پتھر کے ظلم و ستم کا فریادی ہے۔

نالہ و فریاد و ماتم تا کُجا
سینہ کوبی ہائے پیہم تا کُجا

تو کب تک نالہ و فریاد اور ماتم کرتا رہے گا۔ کب تک شب و روز سینہ پیٹتا جائے گا۔

در عمل پوشیدہ مضمونِ حیات
لذتِ تخلیق قانونِ حیات

عمل میں ہی زندگی کا مقصد پوشیدہ ہے اور تخلیق کا لطف زندگی کا قانون ہے۔

خیز و خلاقِ جہاں تازہ شو
شعلہ در بر کن خلیل آوازہ شو

اُٹھ اور نیا جہان پیدا کر۔ آگ کو آغوش میں لے لے۔ اپنے جسم میں آگ بھڑکا کر خود کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی شہرت کا مالک بنا (نعرۂ حق لگا)

با جہاں نامساعد ساختن ہست در میداں سپر انداختن	ناموافق دنیا سے نباہ یا موافقت پیدا کرنا ایسے ہی ہے جیسے میدانِ جنگ میں ہتھیار ڈال دینا۔
مردِ خود دارے کہ باشد پختہ کار با مزاج اُو بِسازد روزگار	جو خود دار انسان عمل میں پکا اور تجربہ کار ہوتا ہے، زمانہ خود اس کے مزاج کے مطابق چلتا ہے۔
گر نہ سازد با مزاج او جہاں می شود جنگ آزما با آسماں	اگر زمانہ (اس خوددار) کے مزاج سے نباہ یا (موافقت) نہیں کرتا تو وہ زمانے سے جنگ کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔
بر کُند بنیاد موجودات را میدہد ترکیب نو ذرات را	حضرت علیؑ کا پیروکار کائنات کو جڑ سے اکھاڑ ڈالتا ہے اور اس کی جگہ ذروں کو ایک نئی ترکیب سے نئے سِرے سے آراستہ کرتا ہے۔
گردشِ ایام را برہم زند چرخِ نیلیِ فام را برہم زند	مردِ مومن زمانے کی گردش کو درہم برہم کر کے رکھ دیتا ہے۔ وہ نیلے آسمان ہی کو باقی نہیں چھوڑتا جس سے گردش پیدا ہوتی ہے۔
می کند از قوتِ خود آشکار روزگارِ نو کہ باشد ساز گار	مردِ کامل اپنی قوت سے ایک ایسا نیا زمانہ وجود میں لے آتا ہے جو اس سے موافقت کے لئے تیار ہو۔
در جہان نتوان اگر مردانہ زیِست ہمچو مردان جاں سپردن زندگیست	اگر دنیا میں جواں مردوں کی طرح زندہ نہیں رہ سکتے تو پھر جوانمردوں کی طرح جان دے دینا، یعنی دلیرانہ موت کو سینے سے لگا لینا ہی زندگی ہے۔
ہر کہ در قعرِ مذلت ماندہ است ناتوانی را قناعت خواندہ است	جو کوئی بھی ذلت و پستی کے گڑھے میں گِرا ہوا ہے وہ اپنی کمزوری اور ناتوانی کو صبر و قناعت کا نام دے دیتا ہے۔

ناتوانی زندگی را رہزن است
بطنش از خوف و دروغ آبستن است

کمزوری اور ناتوانی زندگی کے راستے کی قزاق اور رہزن ہے، اس کا باطن جھوٹ اور ڈر سے پُر ہے۔ یعنی اس کے بطن سے ڈر اور جھوٹ پیدا ہوتے ہیں۔

از مکارم اندرونِ او تہی است
شیرش از بہر ذمائم فربہی است

اس کا اندرون (باطن، دل) اچھے اوصاف سے بالکل خالی ہوتا ہے۔ اس (ناتوانی) کا دودھ بری باتوں کے موٹاپے (اضافے کا باعث ہے۔ اس کے دودھ سے برائیاں پرورش پا کر موٹی ہوتی ہیں۔)

ہوشیار اے صاحب عقلِ سلیم
در کمینہا می نشید ایں غنیم

اے عقل سلیم رکھنے والے! خبردار یہ دشمن ہر وقت گھات میں رہتا ہے۔

گر خر دمندی فریب ِ اُو مخور
مثُل حُر با ہر زماں رنگش دِگر

اگر تُو عقلمند ہے تو اس کا فریب کبھی نہ کھا اس لئے کہ یہ گرگٹ کی طرح ہر گھڑی اور ہر لمحہ رنگ بدلتی رہتی ہے۔

شکلِ اُو اہل نظر نشناختند
پردہ ہا بر رُوئے اُو انداختند

اہل نظر نے کمزوری اور ناتوانی کی اصل صورت نہیں دیکھی۔ اس کے چہرے پر رنگ رنگ کے پردے ڈال دیئے۔

گاہ او را رحم و نرمی پردہ دار
گاہ می پوشد ا ردائے انکسار

چنانچہ کبھی تو رحم اور نرمی اس کی پردہ داری کرتی ہے اور کبھی وہ عاجزی اور مسکینی کی چادر اوڑھ لیتی ہے

گاہ ا و مستُور در مجبوری است
گاہ پنہاں در تہ معذوری است

کبھی وہ مجبوری کے پردے میں چھپ جاتی ہے اور کبھی معذوری کی تہ میں پوشیدہ ہوتی ہے۔

چہرہ در شکلِ تن آسانی نمود
دِل ز دست صاحب قوت ربود

اس نے تن آسانی کے پردے میں اپنا چہرہ نمایاں کیا اور اس طرح صاحبِ قوت کا دِل چھین لیا۔

با توانائی صداقت توام است
گر خود آگاہی ہمیں جامِ جم است

قوت اور توانائی سچائی کی جڑواں ہے۔ قوت وقدرت اور صداقت کا چولی دامَن کا ساتھ ہے اگر تو اپنی ذات سے آگاہ ہو جائے تو یہی جمشید کا پیالہ ہے۔

زندگی کشت است و حاصلِ قوت است
شرح رمزِ حق وباطل قوت است

زندگی کھیتی ہے اور اس کی فصل (پیداوار) قوت ہے، حق اور باطل میں جو بھید ہے، قوت اس کی رمز یا شرح ہے

مدعی گر مایہ دار از قوت است
دعویِ اُو بے نیاز از حجت است

اگر کوئی دعویٰ کرنے والا (مدمقابل) قوت کی دولت سے مالا مال ہے تو اس کے دعوے کے اثبات کے لئے کِسی دلیل یا ثبوت کی ضرورت نہیں رہتی۔

باطل از قوت پزیرد و شانِ حق
خویش را حق داند از بطلانِ حق

باطل قوت کی بدولت حق کی سی شان پیدا کر لیتا ہے اور حق کو باطل کہہ کر خود کو حق جاننے لگتا ہے۔

از کنِ اُو زہر کوثر می شُود
خیر را گوید شرے شر می شود

اس کے کُن (حکم) سے کوثر زہر میں تبدیل ہو جاتی ہے وہ خیر کو شر کا نام دے کر اُسے شر بنا دیتا ہے۔

از آدابِ امانت بے خبر
از دو عالم خویش را بہتر شمر

اے انسان تو امانت کے آداب سے نا آشنا ہے۔ تو اپنے آپ کو دونوں جہانوں سے بہتر سمجھ۔ یعنی تو اشرف المخلوقات ہے۔ تجھے سب سے بلند درجہ عطا کیا گیا ہے۔

از رموزِ زندگی آگاہ شو
ظالم و جاہل ز غیراللہ شو

تو زندگی کے اسرار ورموز سے آگاہی حاصل کر اور خدا کے سوا جو کچھ ہے اس کے معاملے میں ظالم اور جاہل ہو جا۔ (اپنے آپ کو صرف خدا کے کاموں کیلئے وقف کر دے)

چشم وگوش و لب کشا اے ہوشمند
گر نہ بینی راہِ حق برمن بخند

اے عقلمند تو اپنے کان، ہونٹ اور آنکھیں کھول (ان سے صحیح کام لے، ان سے فائدہ اٹھا) پھر اگر اس کے باوجود تجھے حق وصداقت کی راہ نظر نہ آئے تو اس وقت مجھ پر نہیں (میری نصیحت کی ہنسی اڑا دینا)۔

پشتو کلام

نظم (پشتو)

کلام: عبدالرحمٰن بابا

مرسلہ: پروفیسر سید غیور حسین

خدایه څه شوهغه ښکلي ښکلي خلق
په ظاهر په باطن سپین سپېڅلي خلق

هيڅ خندا مې د دمې خلقوسره نه شيی
ژړويی مې هغه تللي تللي خلق

خبرنه يم چې وکومه خواته لاړشم
ليده نه شيی هغه ماليدلي خلق

لکه لمرچې دا وروپه څوکه درومیی
هسې درومیی په دنياراغلي خلق

دريغه يوځلې خوبياپه جهان راغي
له جهانه په ارمان وتلي خلق

هزارحيف دے چې په خاوروکښې لاړه شيی
په چوده اوپه چنداڼ لړلي خلق

رحمان هسی ګوښه خوند له خلقه بيامومند
چې هرګزنه دے دا خوند موندلي خلق

نظم عبدالرحمٰن بابا

منظوم اُردو ترجمہ۔ ڈاکٹر طٰہٰ خان

الٰہی کیا ھوئے وہ مہ جبیں لوگ
وہ ظاہر اور باطن میں حسیں لوگ

اب ان لوگوں سے کیا ملنا ہے ہنس کر
رُلاتے ہیں وہی زیر زمیں لوگ

نہ جانے کس طرف وہ چل دئے ھیں
نظر آتے نہیں وہ نازنیں لوگ

وہ جیسے کف بہے پانی کے آگے
جہاں سے یوں ہی جاتے ہیں کہیں لوگ

پھر اس دنیا میں آئیں کاش اِک بار
گئے ارمان لیکر جو حزیں لوگ

وہ ملتے جا رہے ہیں خاک میں آہ
بسے خوشبو میں تھے جو عنبریں لوگ

ملی رحمانؔ کو خلوت میں وہ لذت
جو پا سکتے نہیں جلوت گزیں لوگ

پنجابی شاعری:

کلام بابا بُلھے شاہ

(ترجمہ:س م ح ب)

(ولادت 1680ء اُچ شریف) (وفات 1757ء قصور)

(ا) نہ کر بندیا میری میری
نہ تیری نہ میری
چار دناں دامیلا دنیا
فیر مٹی دی ڈھیری

مندر ڈھادے، مسجد ڈھادے، ڈھادے جو کچھ ڈھیندا
اک بندے دا دل نہ ڈھاویں، رَب دِلاں وِچ رہندا

(ب) پُھلاں دا تُوں عطر بنا
عطراں دافیر کڈھ دریا
دریا وِچ فیر رَج کے نہا
مچھلیاں وانگُوں تاریاں لا
فیروی تیری بُو نہیں مُکنی
پہلے اپنی مَیں مُکا

ترجمہ:(ا)

اے اللہ کے بندے! یہ میری تیری کا راگ الاپنا چھوڑ دے۔ اس دنیا میں دائمی طور پر کوئی چیز کسی کی ملکیت نہیں ہے۔ دنیا کی یہ سب نعمتیں، یہ سب دکھاوے۔ شوشا اور ہلہ گُلہ چند دنوں کا کھیل ہے۔ آپ اور ہم سب نے ایک دن یہ دنیا چھوڑ کر مٹی میں مل جانا ہے۔

بابا بُلّھے شاہ انسان اور اس کی عزت نفس کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ اس کے سامنے دنیا کی کسی بڑی سے بڑی اور مقدس چیز کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔ فرماتے ہیں کہ اگر ڈھانا (گرانا) ہی ہے تو مسجد اور مندر گرا دو مگر کسی کا دل نہ دکھانا کیونکہ خود خالقِ کائنات کا فرمان ہے کہ اے انسان میں تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں یعنی تمہارے دل کے اندر رہتا ہوں۔

ترجمہ:(ب)

اے اللہ کے بندے! تُو پھول اکٹھے کر اور ان سے عِطر بنا۔ اتنا عِطر بنا کہ عِطر کا دریا بہہ نکلے۔ اس دریا میں سیر ہو کر مچھلی کی طرح تیر کر نہا۔

مگر یاد رکھ اے انسان کہ تمہارے جسم (مَن اور اَنا کی بُو تب تک ختم نہیں ہو گی جب تک تم اپنی خود غرضی، نفسانی حرص اور تکبر و غرور کی ''مَیں'' کو ختم نہیں کرو گے۔

پنجابی کلام

منیر نیازی

1. گُج شوقِ سی یار فقیری دا
گُج عِشق نے دَر دَر رول دِتا

2. گُج سجناں کسَر نہ چھوڑی سی
گُج زہر رقیباں گھول دِتا

3. گُج ہجر فراق دا رنگ چڑھیا
گُج درد ماہی اَنمول دِتا

4. گُج سڑ گئی قسمت، بد قسمت دی
گُج پیار وچ جدائی رول دتا

5. گُج اُنجِ وِی راہواں اوکھیاں سن
گُج گلے وچ غم دا طوق وی سی

6. گُج شہر دے لوک وِی ظالم سَن
گُج سانوں مَرن دا شوق وی سی

پنجابی کلام

منیر نیازی

اُردو ترجمہ (س م ح ب)

1. منیر نیازی اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہہ رہے ہیں کہ کچھ تو مجھے ویسے ہی درویشی اور فقیری اختیار کرنے کا شوق چُرایا ہوا تھا اور میں فقیر بن گیا اُوپر سے میرے عشق نے بھی مجھے کہیں کا نہ چھوڑا اور میں دَر دَر رُل رہا ہوں۔
2. کچھ تو میرے دوستوں نے میرے ساتھ سلوک میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور کچھ میرے بنے بنائے تعلقات میں میرے حاسدوں نے زہر گھول کر اُسے مزید ابتر کر دیا۔
3. حالتِ عشق میں محبوب کی جدائی نے میری کیا حالت خراب کی ہوئی تھی کہ محبوب کے دیئے گئے دُکھوں نے میری حالت اور بھی خراب کر دی۔
4. میرے جیسے نامراد کی قسمت جو پہلے سے خراب تھی اب پیار میں محبوب کی جدائی نے مجھے مزید دربدر کر دیا۔
5. کچھ تو ویسے بھی راستوں کی مشکلات زیادہ تھیں اور کچھ عشق کے غموں کا طوق بھی میرے گلے میں پڑا تھا۔
6. کچھ تو شہر کے لوگ بھی ظالم تھے یعنی میرا معاشرہ ظلم کا ایک مثالی معاشرہ تھا۔ اوپر سے ایک عاشق کی حیثیت سے مجھے خود بھی مرنے کا شوق تھا۔

(شاعر نے بتا دیا کہ غم دوراں اور غم جاناں دونوں یکجا ہو جائیں تو عاشق کی موت (تباہی) یقینی ہو جاتی ہے۔)

ہندکو شاعری

احمد علی سائیں

(ترجمہ: ڈاکٹر ظہور احمد اعوان)

ک کہیرا مُکھیا سنسار دا وے
مُوجد گردشِ لیل و نہار دا وے
کہیرا صانع نقش و نگار دا وے
دیکھ تا سئی کہ ہیھ ایہ تعمیر کِس دی
قائم بے ستون کیتے سماء کس نے
برق ابر چو کیتی پیدا کس نے
پہری تاریآں اندر ضیاء کس نے
ماہ و مہر وچ ہیوے تنویر کس دی
کس نے ملک جاپان اُجاڑ کیتا
غضب آتش سی کس نے ایہ ساڑ کیتا
کس دے نُور نے سُرمہ پہاڑ کیتا
اُس دی قدر ہن ہے ایہ توقیر کس دی
عبث کُوڑ دلیلاں نوں لوڑ کے تے
طبع زاد کہانڑیاں جوڑ کے تے
سائیآں حق دی پرستش نوں چھوڑ کے تے
جاہل پُو جدے پھر دے تصویر کس دی

کون ہے خالق و مالک اس سنسار کا
کون ہے موجود اس گردش لیل و نہار کا
کون ہے صانع دنیا کے نقش و نگار کا
دیکھو تو سہی یہ عالم کا تعمیر کار ہے کون
بے ستون کھڑے کر دیئے یہ آسمان کس نے
بادلوں میں سے ہویدا کی برق کس نے
بھری تاروں کے اندر چمک دمک کس نے
شمس و قمر میں ہے روشنی کی تنویر کس کی
کس نے ملک جاپان کو کیا تاراج
کس کے غضب کی آگ نے کیا اسے راکھ
کس کے نور نے سرمہ کیا پہاڑوں کو
رب کی طاقت کےسوا کس کی طاقت ہوسکتی ہے یہ
عجیب جھوٹی دلیلیں گھڑ گھڑ کے اور
جوڑ جوڑ کے جھوٹی کہانیاں
سائیں یہ لوگ اپنے رب کی پوجا چھوڑ کے
کیوں کسی اور بت کی پوجا میں جاتے ہیں لگ

ہندکو

ہندکو ماہیے

(ایک تعارف)

ہندکو زبان صوبہ خیبر پختونخواہ کے ضلع پشاور کے شہری علاقے، پشاور کے چند مضافات، ہزارہ ڈویژن کے اضلاع ہری پوری، ایبٹ آباد اور مانسہرہ، ضلع اٹک کی تحصیل اٹک اور فتح جنگ، حسن ابدال اور ضلع راولپنڈی کی تحصیل ٹیکسلا کے علاقے پنج کٹھہ کے مواضعات میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اگر چہ پشاور کی ہندکو ہزارہ کی ہندکو سے لہجے اور تلفظ کے لحاظ سے تھوڑی مختلف ہے، اسی طرح ضلع اٹک کی ہندکو کا لہجہ بھی علاقائی لحاظ سے مختلف ہونے کے باوجود ہر جگہ پر یہ ہندکو ہی کہلاتی ہیں۔

ہندکو زبان کی شاعری اور موسیقی میں ''ماہیے'' کو ایک منفرد حیثیت حاصل ہے۔ ہندکو ماہیے ہزارہ، اٹک اور پنج کٹھہ کی ہندکو کی پہچان ہیں۔ ہندکو گیت اور ماہیے وہاں کی تہذیب اور رسم و رواج کی بخوبی ترجمانی کرتے ہیں۔

ڈھولک کی تھاپ کے ساتھ الھڑ لڑکیوں کے نازک اور معصوم جذبات اور ڈھور ڈنگر چراتے ہوئے محنتی کسانوں کے اکھڑ اور تندرست گیت گاؤں کی سادہ اور مٹیالی فضا میں ہر وقت منڈلاتے رہتے ہیں۔ شادی بیاہ، میلوں اور دعوتوں میں خصوصاً دل کا بخار نکالا جاتا ہے اور سینکڑوں ماہیوں، ڈھولوں اور ٹپوں کا انبار لگا دیا جاتا ہے۔

ماہیے کا پہلا بند (مصرعہ) معنوی لحاظ سے دوسرے بند سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اور یہ محض قافیہ ملانے کے لیے ہوتا ہے تاہم پہلے بند سے بھی لوگوں کے عادات و اطوار کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ماہیے کے دوسرے بند میں مخصوص جذبات کی ترجمانی ہوتی ہے اور اگر پہلے اور دوسرے بند میں معنی اور مطالب کے لحاظ سے کوئی ربط ہو تو ماہیے کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے، ماہیا مختلف علاقوں میں مختلف سُر اور تال میں گایا جاتا ہے۔

ہندکو ماہیے

1. ہٹیاں اُتے فیتہ ای — سچی گل دَس ماہیا کدے یاد بھی کیتا ای
2. دو کاراں بازار آ ئیاں — جھڑکاں نہ دے ماہیا، اکھاں کرنڑ دیدار آ ئیاں
3. چَن چڑھیا تے نِکی نِکی لو — او پُھلا وے غلاب دیا، تیری گلی گلی خشبو
4. وَنگاں وِکنڑ بازار آیاں — بُت کر سامنے چُناں، اَکھاں کرنڑ دیدار آیاں
5. آنڑاں تے جانڑاں نا — اَسی بھانویں بُھل گئے آں، ساڈا پیار بُھلانڑاں نا
6. دو بیں اَمروداں دے — تیری میری ہِک جندڑی، وِچ فرق وجوداں دے
7. کوئی کالے کاں ماہیا — دُورے دیاں سجناں دے بُھل وینے ناں ماہیا
8. کوئی پانڑی سمندراں دا — ساڈے متھے مار گیا، ماہی رونڑاں عمراں دا
9. کوئی بُوٹا راہ نال اے — ڈر پیا لگدا اے، یاری بے پرواہ نال اے
10. اَساں جندڑی دی لائی بولی — اُس ویلے آیا ویں، جدوں سجناں نے چائی ڈولی
11. کوئی تاراں وے پِتل دیاں — گُڑیاں پہاڑ دیاں، کونجاں بنڑ بنڑ نکل دیاں
12. کوئی سُچّی وے پلیٹ ہووے — اَج میرے ماہی آنڑاں، گڈی کدے وی نہ لیٹ ہووے
13. کوئیا برگی وے گاں کوساں — ہنس کے نہ لنگیا کرو، کیرے دوئے بدنام ہوساں
14. کوئی کونجاں وی نہر دیاں — خبراں گونڑ دیوے، تیرے وسدے شہر دیاں
15. ہری پُورے دیئے وِے کنڑ کے — کدے وی ناں گل کرسئیں، بھانویں سونے دا آ بنڑ کے

ہندکو ماہیے

اُردو ترجمہ (س۔م۔ح۔ب)

1. دو کانوں پر فیتہ بک رہا ہے	سچ سچ بتاؤ میرے محبوب کبھی یاد بھی کیا ہے؟
2. بازار میں دو کاریں آئی ہیں	میرے محبوب مجھے جھڑکیں نہ دو میں تو فقط تمہارا دیدار کرنے آئی ہوں
3. چاند اپنی مدھر روشنی کے ساتھ نکلا ہے	اے گلاب کے پُھول تیری خُوشبو گلی گلی میں مہک رہی ہے
4. بازار میں چُوڑیاں بکنے آئی ہیں	اے میرے محبوب اپنا سراپا سامنے کرو کہ میں جی بھر کے دیدار کر سکوں
5. آنا اور جانا لگا رہتا ہے	ہم اگر بھول بھی جائیں مگر ہمارا پیار کبھی نہ بُھلانا
6. امرود کے دو بیج ہیں	(اے محبوب) تم اور میں یک جان دو قالب ہیں، روح ایک ہے صرف وجودوں کا فرق ہے۔
7. کوے کالے ہیں	دُور چلے جانے والے دوستوں کے نام بھی بھول جاتے ہیں
8. سمندروں کا پانی ہے	ہمارا محبوب خود چلا گیا مگر ہمیں عمر بھر کا رونا دے گیا۔
9. راستے میں پودا کھڑا ہے	میں ہر وقت خدشات میں مبتلا رہا ہوں کیونکہ جانتا ہوں میری دوستی ایک لاپرواسے ہے۔
10. ہم نے زندگی کو داؤ پر لگا دیا ہے	اے میرے دوست! تم اُس وقت پہنچے ہو جب غیر لوگ میری ڈولی اُٹھا کر جانے لگے۔
11. پیتل کی تاریں ہیں	پہاڑی علاقے کی الھڑ دوشیزائیں کونجوں کی مانند بن سنور کر نکل رہی ہیں۔
12. سُچی پلیٹ ہے	آج میرے مائی کے آنے کا دن ہے، سب مل کر دعا کرو کہ آج گاڑی لیٹ نہ ہو
13. رنگین (دھاریدار) گائے ذبح	میرے یار میرے پاس سے گزرتے ہوئے ہنسا نہ کرو، ہم کریں گے دونوں بدنام ہو جائیں گے۔
14. نہر کی کُونجیں ہیں	اے میرے محبوب تیرے ہنستے بستے (آباد) شہر سے تمہارے بارے میں میرے پاس خبریں کون لائے گا۔
15. اے ہری پور کی میٹھی گندم	محبوب میں تم سے ناراض ہوں۔ اب تم سونے کے بھی بن کر آ جاؤ مگر پھر بھی تم سے بات نہیں کروں گی۔

سرائیکی کلام

کلام (الف)

بابا غلام فرید

مرسلہ وترجمہ فرمان بلوچ

ہن تھی فریدا شاد ول
موںجھیں کوں نہ کر یاد ول
جھوکاں تھیسن آباد ول
اے نیں نہ واہسی ہک منڑی

کلام (ب)

ڈاکٹر رفعت عباس

کیویں ساکوں یاد نہ راہسی اوندے گھر دا رستہ
ڈو تاں سارے جنگل آسن ترائے تاں سارے دریا

اے دریا دے ٹھلن والے، مُول پچھاں نہ وَلسن
راہواں ڈہدا رہسی رفعت، راہواں ڈیکھن والا

تشریح: کلام (الف)

فرمان علی (فومی بلوچ)

پہلے شعر میں شاعر خود کو مخاطب کر کہ اداسی سے نکلنے کا درس دیتا ہے کہ اب پرانی باتیں بھول کر ایک نیا آغاز کیا جائے اور وہ باتیں جو دُکھ دیتی ہیں انہیں بھلا دیا جائے کیونکہ اب وہ گزر چکی ہیں، اب ایک نئی شروعات کی جائے۔

دوسرے شعر میں شاعر اک نئی اُمید دلا رہا ہے کہ جھوکیں پھر سے آباد ہوں گی اور وہ اسے ایک منظر بنا کر اُمید دلا رہا ہے کہ سیلاب (نئیں) کے بعد جھوکیں (شہر) تباہ ہو چکے ہیں وہ ایک دن آباد ہونگے کیونکہ سیلاب کو ہمیشہ یہاں نہیں بہنا، وہ ایک نہ ایک دن ختم ہوگا اور پھر سے شہر آباد ہونگے اُداسی چھوڑ دی جائے۔

تشریح: کلام (ب)

یہ کلام جناب ڈاکٹر رفعت عباس کی ایک غزل سے لیا گیا ہے جس کے پہلے شعر میں حیرانی کے عالم میں کہا گیا ہے کہ کیسے ہمیں محبوب کا گھر یاد نہیں رہے کہ راستے میں صرف دو تو جنگل آتے ہیں اور تین دریا، یعنی محبوب کے گھر کے راستے میں پڑنے والے دو جنگل اور تین دریا عاشق کے لیے کچھ بھی نہیں یعنی اسے اس کی فکر ہی نہیں کہ یہ ایک بہت لمبی مسافت ہے اور جنگل و دریا جیسی مشکلیں راستے میں پڑتی ہیں۔ بلکہ اسے صرف محبوب کے گھر سے واسطہ ہے۔

انتخاب کا دوسرا شعر غزل کا آخر شعر ہے اور اس میں ڈاکٹر رفعت عباس کہتے ہیں کہ یہ بات ایک تلخ حقیقت ہے کہ اس دریا میں تیرنے والے کبھی بھی واپس نہیں آئینگے لیکن جانے والوں کے بعد پیچھے رہ جانے والے راستوں کی جانب دیکھتے رہیں گے کہ وہ واپس آئینگے یعنی ان کو یہ اُمید پھر بھی رہے گی کہ جانے والے واپس آئیں گے مگر وہ واپس نہیں آئینگے۔

کھوار(چترالی)شاعری

کلام:پروفیسرڈاکٹرعنایت اللہ فیضیؔ

اوا ریما ن اوریروقم انگاہ نو ہوئے　　تو ریسان اسپہ ژن یا ای زاہ نو ہوئے
اوا ریما ن آزاد یو روگاہ نو ہوئے　　تو ریسان اختی بیکو کیہ رہ نو ہو ئے
جم لو ڑے کی دو نی قمہ اوا غلط یا تو
قمو شوغہ یا ما تمہ اوا غلط یا تو
او ا ریمان تتان بطا ن تتے جم　　تو ریسان شہرو ختان تتے جم
اوا ریمان کھوار زبان تتے جم　　تو ریسان رار دو خوران تتے جم
کا رانی کہ پختہ امہ اوا غلط یا تو
تن دو نیکو زیرو بمہ اوا غلط یا تو
اوا ریما ن زو مو اچو دوشمان اسور　　تو ریسان ہس ہیرہ تان پشمان اسور
اوا ریمان خیال کورے بے ایمان اسور　　تو ریسان کی لا کے لا مہما ن اسور
ہس مینو ا کوس مہرامہ او غلط یا تو
تہ زخمو تے ہس نمکہ نو مر ہمہ او اغلط یا تو
اوا ریما ن رہبر یا صدا قت بائے　　تو ریسان مہ دی ساوز عمارت با ئے
اوا ریمان تہ یہ دورا شرافت بائے　　تو ریسان مقا بل مہ خجا لت بائے
ہیہ قولہ یہ قَسَمہ اوا غلط یا تو
دو نی لو دیت جم ارا مہ اوا غلط یا تو

کھوار (چترالی) شاعری

مرسلہ اور اُردو ترجمہ: پرفیسر ڈاکٹر عنایت اللہ فیضی

1۔ میں کہتا ہوں سوئی ہوئی قوم بیدار نہیں ہوئی آپ کہتے ہیں ہماری کوئی خواہش پوری نہ ہوئی۔ میں کہتا ہوں ہمیں آزادی ملنے کی امید پیدا نہیں ہوئی آپ کہتے ہیں پیٹ بھر کر کھانا نہیں ملا۔ غور سے دیکھو قومی فکر میں میری غلطی ہے یا آپ کی؟ قوم کے لئے غم اور ماتم کرنے میں میری غلطی ہے یا آپ کی؟

2۔ میں کہتا ہوں تمہارا گاوں تیرے لئے بہتر ہے آپ کہتے ہیں شہر میں ایک کمرہ ہونا بہتر ہے میں کہتا ہوں مادری زبان کھوار تمہارے لئے بہتر ہے آپ کہتے ہیں دوسروں کی زبان میں بہتری ہے اب غیر جانبدار لوگ بتائیں پختہ اور خام خیالات میں میری غلطی ہے یا آپ کی؟ اپنی فکر کے زیر و بم میں غلطی میری ہے یا آپ کی؟

3۔ میں کہتا ہوں پہاڑ کی اوٹ میں دشمن چھپا ہوا ہے تم کہتے ہو دشمن وہاں آنے پر پشیمان ہے میں کہتا ہوں بے فکر نہ ہو وہ مکار دشمن ہے آپ کہتے ہیں کوئی بات نہیں وہ مہمان ہے
اب وہ مہمان ہے یا کسی کا بھیجا ہوا ہے غلطی میری ہے یا تمہاری؟
وہ تیرے زخم کے لئے مرہم ہے یا نمک ہے غلطی میری ہے یا تمہاری؟

4۔ میں کہتا ہوں رہبری میں صداقت ہونی چاہیئے، آپ کہتے ہیں میری بھی ایک عمارت بنی چاہیئے میں کہتا ہوں تیرے دور میں شرافت ہونی چاہیئے۔ آپ کہتے ہیں میرے مخالف کو شرمندگی ہونی چاہیئے اس قول اور قسم میں غلطی میری ہے یا تمہاری، آرام سے سوچ کر بتاؤ غلطی میری ہے یا تمہاری؟

بلوچی کلام

شاعر۔عزیز ریحان بلوچ

مرسلہ ڈاکٹر عبدالرؤف رفیق
(شعبہ اقبالیات، کوئٹہ یونیورسٹی، بلوچستان)

ماہ ءِ دیم ءَ زلفاں جمبر گش اِتگ
چہ دریگ ءَ دلبر ءَ سر گش اِتگ

مارا پہ آرام ءَ نیشتہ تئی غمان
یک ءِ وپتگ دومی ءَ سر گش اِتگ

پہ دل ءِ مہری کلات ءِ پُروشگ ءَ
ڈکھ ء وئیل ء ارساں لشکر گش اِتگ

نیم شپی پاس ءَ چُو دُزانی وڑا
مئے سر ءَ تئی یات ءَ خنجر گش اِتگ

چہ دلانی تہارمائیں غار ءِ تہا
ما فقیراں مہر ءِ گوہر گش اِتگ

رستگ اَت بُوجیگ مئے تیاب ءِ دپ ءَ
وا نزاناں کئیا ننگر گش اِتگ

نُوں کُجا بُرون بگُش ما اے ریحان
مارا دوست ءَ چہ دل ءَ سر گش اِتگ

منظوم ترجمہ۔عزیز ریحانؔ بلوچ کوئٹہ بلوچستان

مرسلہ ڈاکٹرعبدالرؤف رفیقی

شعبہ اقبالیات،کوئٹہ یونیورسٹی،بلوچستان

مرے محبوب نے چلمن سے جونہی سر نکالا ہے
رُخِ ماہتاب پر اک ابر سا زلفوں کا چھایا ہے

دکھوں نے تیرے کب سونے دیا ہے اے حسیں ساجن
سلاؤں میں جو اک غم کو تو دوجا جاگ اٹھتا ہے

مرا من ایک قلعہ ہے جنوں محصور ہے جس میں
غموں کا روز اک لشکر اسے سر کرنے آتا ہے

تری یادیں سکوں کی راہ پہ استادہ ہیں ہر شب
مثالِ دزد نیندوں پر مری خنجر اٹھایا ہے

وفا کی بھیک ہی میں مانگتا پھرتا رہا در در
یہ کیسا پیار تھا؟ جس نے مجھے منگتا بنایا ہے

مری کشتی کنارے آلگی تھی جانتا ہوں میں
نہیں معلوم کس ظالم نے پھر لنگر اٹھایا ہے

نہیں ریحانؔ کوئی بھی ٹھکانہ میں کہاں جاؤں
کہ اپنے دل سے بھی دلبر نے اب مجھ کو نکالا ہے

شاعر، عزیز ریحان ان بلوچ کوئٹہ بلوچستان

مرسلہ ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی

(شعبہ اقبالیات، کوئٹہ یونیورسٹی، بلوچستان)

گنوکیں دل تو وتا پرچے بے قرار کنے
نہتیں کس ءِ اِدا چیا انتظار کنے

جُغ ءَ چے تیر ءِ کہ در کئیتیں اِچ نبی واتر
پہ کئی ودار ءَ تو نندے وتارا خوار کنے

دلِ تو ٹپّاں کُدھینے گلاب ءِ پُل پرچے
گوں درد ءِ موساں مئے زرد ءَ داغدار کنے

ہتم تئی مہر ءِ پدی کئیت من نزاناں کدی
کدیں تو ھُشکیں دل ءِ باغ ءَ پُر بہار کنے

قٓ

شپّی مسافراں بانگہ رواں چہ ھلک ءَ تئی
جنے شغان چیا مئے سرا تو زار کنے

مایک برے کے شتاں چتّو اِچ نبّاں واتر
گوں تژنِ خنجر ءَ پرچے سرا مئے وار کنے

اُمیت ءِ راہ سراں نشتہ تء ودار ءَ ریحان
کدِی تو کائے فقیر ءَ گوں وت اوار کنے

منظوم ترجمہ۔عزیز ریحانؔ ان بلوچ کوئٹہ بلوچستان

مرسلہ ڈاکٹرعبدالرؤف رفیقی
(شعبہ اقبالیات،کوئٹہ یونیورسٹی، بلوچستان)

کسی کی آس پہ بیٹھو نہ انتظار کرو
دیوانہ وار نہ تم خود کو بیقرار کرو

کماں سے نکلا ہوا تیر کب پلٹتا ہے
کسی کی یاد میں نہ خود کو اشکبار کرو

کُریدا نہ کرو زخموں کو تم گلابوں سے
خراش آتے ہیں دل کو نہ داغدار کرو

خزّاں کی رُت میں محبت کے پھول مہکاؤ
کہ آکے پھر سے مرے دل کو پُر بہار کرو

ق

نہ جھڑکو مجھکو کہ اک شب کا میں مسافر ہوں
سحر ہے آنے کو بس تھوڑا انتظار کرو

میں جاکے پھرنہیں لوٹوں گا بس خدا کیلئے
نہ طنز طعنوں کے خنجر سے دل پہ وار کرو

ندی کنارے امیدوں کے بیٹھا ہے ریحانؔ
تم آکے پیار کی کشتی میں اس کو پار کرو

سندھی کلام

شاہ عبدالطیف بھٹائی

اول الله عليم، اعليٰ، عالم جو ڌڻي
قادر پنهنجي قدرت سين، قائم آهه قديم
والي، واحد، وحده، رازق، رَب رحيم
سو ساراه سچو ڌڻي، چئي حمد حڪيم
ڪري پاڻ ڪريمُ، جوڙون جوڙ جهان جي

اوتڙ ڪنهن نه اوليا، ستڙِويا سالم
هيڪائي هيڪ ٿيا، احد سين عالم
ٻي ٻها ٻالم، آڳي ڪيا اڳهين.

آڳي ڪيا اڳهين، نسوروئي نور
لَا خَوفٌ عَلَيهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ، سچن ڪونهي سور
مولي ڪيو معمور، انگ ازل ۾ اُن جو

وَحْدَهٗ جي وِڍيا. اِلَا الله سين اورين
هنيون حقيقت گڏيو، طريقت تورين
معرفت جي ماڻ سين، ڏيساندرُ ڏورينِ
سڪ نه ستا ڪڏهين، ويهي نه ووڙينِ
ڪلهِنئون ڪورينِ، عاشق عبداللطيف چئي

(سُر ڪلياڻ، شاه جو رسالو)

سندھی کلام (منظوم اُردو ترجمہ۔شیخ ایاز)

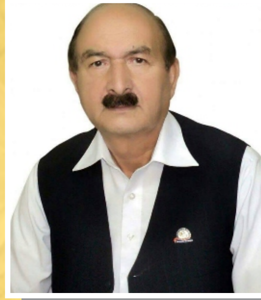
تیری ہی ذات اول و آخر
تو ہی قائم ہے اور تو ہی قدیم
تجھ سے وابستہ ہر تمنا ہے
تیرا ہی آسرا ہے رب کریم
کم ہے جتنی کریں تری توصیف
تو ہی اعلیٰ ہے اور تو ہی علیم
والیِ شش جہات واحد ذات
رازقِ کائنات، ربِ رحیم

اگر اللہ پر رکھتے ہو ایمان
رسول اللہ سے بھی لو لگاؤ
سمائے جس میں ان دونوں کا سودا
کسی در پر نہ اس سر کو جھکاؤ

جنہوں نے دل سے اس یکتا کو مانا
محمد کو بصد اخلاص جانا
نہ ان کو کوئی گمراہی کا خطرہ
نہ ان سے دور ہے ان کا ٹھکانا

کامل ایماں کے ساتھ جس نے بھی
دل سے مانا زبان سے مانا
جس کی خاطر بنی ہے یہ دنیا
اس محمدؐ کا مرتبہ جانا
فوقیت اس کو دوسروں پہ ملی
اپنی ہستی کو اس نے پہچانا
جس نے اس قادر حقیقی کو
وَحدہٗ لاشریک گردانا

(منظوم اُردو ترجمہ: شیخ ایاز)



مصنف کی دیگر تصنیفات

